رجسٹرڈ ایل نمبر [illegible]

ایمان

مرکزی سیرت کمیٹی پٹی ضلع لاہور کا آرگن

قرآنی لیکچر

منشی عبدالمجید قریشی سیکرٹری سیرت کمیٹی پٹی، ضلع لاہور

دس سال کا قرآنی علم دس گھنٹوں میں

تفسیر المنار کا خلاصہ — شاہانِ اسلام کی سفارش — آٹھ آنہ میں کلید قرآن

مصر کے سب سے بڑے مفسر علامہ امام سید رشید رضا نے دس لیکچروں میں قرآنی تعلیم کا عطر نکال کر جمع کر دیا ہے۔ سلطان ابن سعود فرماتے ہیں کہ اس کتاب نے اللہ کی حجت کو اللہ کے بندوں پر پورا کر دیا ہے۔ تاجدار یمن فرماتے ہیں کہ یہ کتاب بے مثال ہے اور دلوں کو خوشیوں سے بھر دینے والی ہے۔ ایک مصری فاضل نے لکھا ہے کہ میں نے دس سال کی محنت اور تحقیق سے قرآن پاک کا مطالعہ کیا تھا۔ لیکن اگر یہ کتاب مجھے مل جاتی تو میری زندگی کے دس سال بچ جاتے۔ قرآن عظیم نے دنیا کے دینی، مالی، جنگی اور سیاسی نظاموں میں جو اہم اور عظیم اصلاحات کی ہیں، ان لیکچروں میں ان سب پر نہایت دلکشا بحث کی گئی ہے۔ آپ ان لیکچروں کا مطالعہ کر کے علوم قرآن کے وارث بن سکتے ہیں۔ کل ڈھائی سو صفحے کی پانچ جلدیں ہیں۔ صرف آٹھ آنے بھیج کر انہیں حاصل کر لیں۔ وی پی نہیں کیا جاتا۔

خدمتِ قرآن کا ایک انقلابی پروگرام

تمام ہندوستان قرآنی سکول بن گیا — آٹھ آنے میں ۳۶۵ درسِ قرآن

ہم آپ کو آٹھ آنے سالانہ میں چوسٹھ چوسٹھ صفحے کے ۱۲ ماہوار رسائل بھیجیں گے۔ ہر رسالہ میں ۳۰ درسِ قرآن ہوں گے۔ ہر درس دو صفحے کا۔ آسان تقریری شکل میں ہر درس میں اوپر ایک آیت ہو گی اور نیچے صرف دو صفحوں میں اس کا ترجمہ اور تشریح۔ آپ گھر میں ایک وقت مقرر کر دیں کہ اس وقت گھر کا کوئی ممبر غیر حاضر نہ ہو۔ ایک جگہ فرش بچھا کر ہر روز ماں، بچے، بہن، بھائی سب حلقہ بنا کر بیٹھ جائیں اور آپ صرف چار منٹ میں انہیں روزانہ ایک درس پڑھ کر سنا دیا کریں۔ جس دن باپ ہو، بیٹا مسند ہدایت پر بیٹھے اور ایک درس پڑھ کر سنا دے۔ ہر مسجد، ہر زنانہ اور مردانہ سکول اور اسلامی گھر میں روزانہ ایک ایک آیت کا ترجمہ سکھانے کا سسٹم شروع کر دیا جائے۔ صرف آٹھ آنے بھیج کر سال درسِ قرآن جاری کرائیں اور ثوابِ دارین حاصل کریں۔ (سکرٹری سیرت کمیٹی پٹی۔ ضلع لاہور)

Secretary,

Seerit Committee Patti (*Dsitt: Lhore*)

آٹھ آنے میں ۳۶۵ درس قرآن

خدمت قرآن کا نادر اور نایاب پروگرام

مرکزی سیرت کمیٹی پٹی نے ملک کے سامنے خدمت قرآن کی ایک بے مثال اسکیم پیش کی ہے جس کے مطابق ۵ ہزار مسلمان اپنی اپنی مسجدوں اور سکولوں میں اور گھروالوں میں روزانہ ایک ایک قرآنی آیت کا ترجمہ اور تشریح سکھا رہے ہیں۔ ہر مسلمان کو چاہئے کہ وہ ہر روز اپنے اہل وعیال کو جمع کر کے انہیں روزانہ ایک ایک آیت کا ترجمہ سکھانا شروع کر دے۔ رسالہ درس قرآن کی قیمت آٹھ آنے سالانہ ہے۔ اس رقم میں سال کے ۳۶۵ دنوں کے لئے نئے بنائے کل ۳۶۵ درس قرآن بھیجے جاتے ہیں۔ ہر درس دو صفحے کا ہے۔ اُردو اس قدر آسان ہے کہ بچے بھی سمجھتے ہیں۔ اس وقت یہ درس ۵ ہزار گھروں، مسجدوں اور سکولوں میں سنائے جا رہے ہیں۔ آپ آج ہی آٹھ آنے بھیجکر رسالہ درس قرآن کے خریدار بن جائیے سیرت کمیٹی اس اسکیم کو دو سو روپیہ ماہوار کے خسارہ سے چلا رہی ہے تاکہ کوئی غریب سے مسلمان بھی تعلیم قرآن سے محروم نہ رہ جائے۔ (سکرٹری سیرت کمیٹی پٹی، ضلع لاہور)

آٹھ آنے میں ۵۲ خطبے

آپ صرف آٹھ آنے فی مسجد ادا کر کے اپنے شہر اور علاقہ کی جامع مسجدوں کے نام خطبات جمعہ جاری کرادیں۔ ہم اس رقم سے ہر مسجد کو سال بھر کے ۵۲ جمعوں کے لئے قسط وار کل ۵۲ آسان اُردو خطبے بھیجتے رہیں گے تاکہ وہ انہیں جمعہ کے دن سنا دیا کریں اس وقت تین ہزار مسجدوں میں یہ خطبے سنائے جا رہے ہیں۔ آپ یہ خدمت ضرور انجام دیں۔ (سکرٹری سیرت کمیٹی پٹی، ضلع لاہور)

پانچواں قرآنی لیکچر

اسلام اور شخصی پابندیاں

(عبادات اور ممنوعات کی بابت اسلام کی بے مثال فضیلتیں اور خصوصیتیں)

اسلام کی بے شمار فضیلتوں میں سے صرف دس کا ہم یہاں بیان کرتے ہیں۔ اگرچہ ان میں سے ہر ایک اس قابل ہے کہ اس پر پورا رسالہ تحریر کیا جائے مگر چونکہ بے حد اختصار پیش نظر ہے اس لئے ہر فضیلت پر ہم صرف چند جملے لکھیں گے۔

۱۔ **اسلام اور اعتدال**۔ تمام مذاہب میں صرف اسلام ہی ایسا مذہب ہے جو نہ صرف روحانیت پر زور دیتا ہے اور نہ صرف مادیت پر۔ بلکہ وہ انسان کو روح اور مادہ دونوں ہی کے حقوق کی طرف بلاتا ہے اور دنیا و آخرت دونوں کی اصلاح کا سبق دیتا ہے قرآن پاک ان لوگوں کی تعریف کرتا ہے جن کی دعا یہ ہے' رَبَّنَا اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَةً وَّ فِی الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً (اے ہمارے پروردگار! ہمیں دنیا میں بھلائی بخش اور آخرت میں بھی)۔ چونکہ ایسی جامعیت اور میانہ روی' اسلام کی ایک بنیادی شان ہے۔ اس واسطے قرآن پاک نے امتِ اسلامیہ کو "اُمَّةً وَّسَطًا" کا خطاب دیا ہے جس کا مطلب ہی یہ ہے کہ ایسی قوم جو اعتدال کی راہ پر چلتی ہے اور رُوح و مادہ یا دنیا و آخرت میں سے کسی ایک کو بھی نظر انداز نہیں کرتی۔ مسلمان نہ یہودیوں کی طرح ہیں جن کے سامنے مادی فائدوں اور جسمانی لذتوں کے سوا اور کچھ بھی موجود نہ تھا اور نہ نصاریٰ اور ہندوؤں کی طرح ہیں جن کے ہاں عبادت کا دار و مدار نفس کو ذلیل کرنے اور جسمانی مشقتیں برداشت کرنے پر تھا۔

۲۔ **اسلام اور نجات**۔ اسلام میں نجات کا مدار محض کسی عقیدہ پر یا کسی کے

کفارہ ہو جانے پر نہیں رکھا گیا۔ جیساکہ یہودیوں کا خیال تھا کہ اسرائیلی ہونا نجات کے لئے کافی ہے یا نصاریٰ کا خیال ہے کہ مسیحؑ ساری دنیا کے عوض کفارہ بن گئے۔ اسلام نے دنیا و آخرت کی فلاح اور جہنم سے نجات کو حسب ذیل امور پر موقوف ٹھہرایا ہے:-

(۱) صحیح ایمان اور صحیح عرفان خداوندی کی وجہ سے نفس کو پاک کرنا (۲) اخلاق درست کرنا (۳) نیک عمل کرنا۔

۳۔ اسلام اور اتحاد۔ اسلام نے اپنے اصول و فروع میں اس کا لحاظ رکھا ہے کہ انسانوں کے درمیان ہمدردی پیدا ہو۔ اس نے ہر ایسے عمل سے روکا ہے جس سے دوسرے فرقوں کی دلآزاری مقصود ہو یا آپس میں فتنہ و فساد کا دروازہ کھلتا ہو۔ چوتھے لیکچر میں آپ ملاحظہ کر چکے ہیں کہ اسلام نے وحدتوں کے ذریعہ مخلوق کی کیسی شیرازہ بندی کی ہے۔ آپ کو یہ بھی معلوم ہے کہ اسلام تمام انبیاء اور تمام آسمانی کتابوں پر ایمان لانے کا حکم دیتا ہے۔ اس سے زیادہ اتحاد انسانی کی اور کیا سبیل ہو سکتی ہے؟

۴۔ اسلام اور آسانی۔ اسلام کی ایک بہت بڑی خصوصیت یہ ہے کہ اس کے احکام میں بے حد سہولتیں اور آسانیاں ہیں۔ کسی حکم میں انسان کو مجبور نہیں کیا گیا ہے۔ اور نہ اس پر بہت زیادہ مشقت ڈالی گئی ہے۔ قرآن حکیم نے جگہ جگہ اس طرف اشارہ فرمایا ہے، لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا وَ لَوْ شَآءَ لَاَعْنَتَكُمْ (اللہ کسی نفس کو تکلیف نہیں دیتا مگر اس کی قوت کے مطابق۔ اگر خدا چاہتا تو تم کو سختی میں ڈال دیتا)۔ يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ (خدا تمہارے لئے آسانی چاہتا ہے، سختی چاہتا ہے)۔ وَجَاهِدُوْا فِي اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ هُوَ اجْتَبٰكُمْ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ (اللہ کے راستے میں خوب خوب جہاد کرو، اس نے تم کو چن لیا ہے اور دین کے معاملہ میں تم پر کوئی سختی نہیں کی ہے)۔ مَا يُرِيْدُ اللّٰهُ

لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِنْ حَرَجٍ (خدا نہیں چاہتا کہ تم پر سختی ڈالے)۔

اسی قانون آسانی کے ماتحت یہ مسئلہ بھی ہے کہ جب بندہ پر کوئی فرض زیادہ دشوار ہو جاتا ہے، یا تو اسے بالکل معاف کر دیا جاتا ہے یا اس کا کوئی عوض قبول کر لیا جاتا ہے۔ نماز ہی کو لیجئے اس میں قیام فرض ہے۔ مگر جس کے لئے کھڑا ہونا دشوار ہو اس کے لئے بیٹھ کر پڑھنے کی اجازت ہے، اسی طرح روزہ بیمار اور شیخ فانی سے ساقط ہو جاتا ہے۔ یعنی بیمار تندرست ہونے کے بعد قضا کرتا ہے اور شیخ فانی اس کا کفارہ دیتا ہے۔ بہت سی چیزیں ہیں جن کا کھانا حرام ہے لیکن اگر مجبوری آپڑے تو ایسے وقت میں اس کا کھانا جائز ہو جاتا ہے۔

۵ - اسلام اور غلو سے ممانعت - اسلام نے اپنے احکام کی حدیں مقرر کی ہیں اور ان کو اتنا روشن کر دیا ہے کہ ان میں کسی شک کی گنجائش باقی نہیں رہی۔ حدبندی کے بعد اس نے متعدد مقامات پر یہ حکم دیا کہ مقررہ حدود سے ہرگز زیادتی اور تجاوز نہ کرو۔ عقائد و اعمال میں، معاملات میں، کھانے پینے کی چیزوں میں اور زیب و زینت وغیرہ میں اس نے نہایت سختی سے غلو کی ممانعت فرمائی ہے۔ اس نے زینت کو جائز رکھا مگر اس میں فضول خرچی اور نخوت کو منع فرمایا ہے۔ عبادت کا حکم دیا مگر نفس و بدن کو حد سے زیادہ تکلیف دینے کی ممانعت کر دی۔ چنانچہ ارشاد ہے:-

يَا بَنِي آدَمَ خُذُوا زِينَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَكُلُوا وَاشْرَبُوا وَلَا تُسْرِفُوا إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِينَ قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِينَةَ اللَّهِ الَّتِي أَخْرَجَ لِعِبَادِهِ وَالطَّيِّبَاتِ مِنَ	اے اولاد آدم! زینت اختیار کرو ہر عبادت کے موقع پر۔ اور کھاؤ پیو مگر اسراف نہ کرو، بے شک اللہ مسرفوں کو پسند نہیں کرتا ہے۔ اے پیغمبر! آپ پوچھیں کہ اللہ کی زینت اور کھانے کی ستھری چیزوں کو کس نے حرام کیا ہے، جنہیں اللہ نے اپنے بندوں

الرِّزْقِ۔ قُلْ هِيَ لِلَّذِينَ آمَنُوا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا خَالِصَةً يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْآيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ۔

کے لئے پیدا کیا ہے۔ کہہ دیجئے یہ چیزیں دنیا میں ایمان والوں کے لئے ہیں اور خصوصاً قیامت میں انہیں کے لئے خاص ہوں گی۔ ہم ہی اپنے احکام کھول کر بیان کرتے ہیں، ان لوگوں کے لئے جو علم رکھتے ہیں۔

يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لَا تَغْلُوا فِي دِيْنِكُمْ (اے اہل کتاب! اپنے دین میں غلو نہ کرو)۔

اس آیت میں اگرچہ خطاب دیگر اہل کتاب سے ہے مگر یہ مسلمانوں کے لئے بھی بڑا سبق ہے۔ کیونکہ ان کا دین، آسانی اور رحمت کا دین ہے۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اکثر غلو سے منع فرمایا ہے۔ کہیں عبادت میں غلو سے روکا ہے، کہیں رہبانیت اور خصی ہونے سے منع فرمایا ہے۔ کہیں عمدہ اور حلال چیزوں کے اپنے اوپر حرام کر لینے پر خفگی کا اظہار فرمایا ہے۔

۷۔ **اسلام اور سہولت تعلیم**۔ جس طرح فطری چیزوں کا سمجھنا، آسان اور سہل ہوتا ہے، ایسا ہی اسلام کی اصولی تعلیم کا سمجھنا بے حد آسان ہے۔ اس کے سمجھنے کے لئے کسی دماغی کدوکاوش کی ضرورت نہیں پڑتی بلکہ ایک جاہل گنوار بھی اسلامی تعلیمات کو چند لمحوں میں نہایت اچھی طرح سمجھ سکتا ہے۔ اس کا اندازہ آپ اس سے لگا سکتے ہیں کہ ایک دفعہ ایک بدوی آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے اسے ایک ہی نشست میں حلال وحرام اور فرائض و واجبات کی تعلیم دے دی۔ وہ بیٹھا بیٹھا سب کچھ سمجھ گیا اور کہنے لگا، یارسول اللہ! میں ایسا ہی کروں گا۔ آنحضورؐ نے یہ سن کر ارشاد فرمایا، "بدو فلاح پا گیا، بشرطیکہ اس نے سچ کہا ہو"۔ اسلام کی یہی آسانی تھی جس کی وجہ سے اس نے کروڑوں دلوں میں گھر کیا۔ لیکن افسوس کہ اب فسادی اور جھگڑالو

مولویوں نے اس کو اتنا مشکل اور پیچیدہ بنا دیا ہے کہ غیر مسلم تو خیر، ایک خاندانی مسلمان بھی اگر ان مولویوں کے چنگل میں گرفتار ہو جائے تو اپنی ساری عمر خرچ کرنے کے بعد بھی اس کی سمجھ میں نہیں آسکتا کہ اسلام کیا ہے؟ کیونکہ مفسد مولوی اپنے خالص فرقہ وارانہ مسائل کے علاوہ اور کوئی مسئلہ نہ بتائے گا اور اسی سلسلے میں وہ تمام دوسرے فرقوں کو کافر اور مرتد بھی بنا دے گا۔ انہی فرقی در فرقی جھگڑوں کی لعنت کا نتیجہ ہے کہ نوجوانوں کا ایک بہت بڑا طبقہ اسلام ہی سے بیزار ہوتا جا رہا ہے۔ (خدا مسلمانوں پر رحم کرے)، کسی شخص کو یہ خیال نہ ہو کہ نماز کا سیکھنا اور پڑھنا مشکل ہے اور یہ کہ اس میں وقت بھی کافی صرف ہوتا ہے۔ یہ محض ایک شیطانی وسوسہ ہے۔ اس لئے کہ نماز بھی چند گھنٹوں میں سیکھی جا سکتی ہے اور پانچوں وقت کی نمازیں جو وقت صرف ہوتا ہے، وہ ایک گھنٹہ سے کچھ ہی زائد ہو گا۔ تو ۲۴ گھنٹوں میں سے ایک یا ڈیڑھ گھنٹہ نماز جیسی عظیم الشان عبادت کے لئے کچھ زیادہ ہے؟ اگر نماز کے بے شمار منافع طہارت، پاکیزگی، دل کی نرمی، اطاعت، اتحاد و تعارف وغیرہ وغیرہ پر نظر ڈالو تو وہ شیطانی وسوسہ دل سے قطعی دور ہو جائیگا۔

۷۔ **اسلام اور عزیمت و رخصت**۔ اسلام میں احکام پر عمل دو طرح سے ہوتا ہے۔ ایک قوت و شدت کے ساتھ اور دوسرے نرمی و آسانی کے ساتھ۔ پہلے کو عزیمت کہا جاتا ہے اور دوسرے کو رخصت۔ ان دونوں میں حضرت ابن عباسؓ رخصت کو ترجیح دیتے تھے اور حضرت عبداللہ بن عمر عزیمت کو۔ اور اصل یہ ہے کہ عمل کے دو درجے انسانوں کے درجات کے موافق مقرر ہیں۔ کیونکہ بہت سے لوگ اپنے اندر سرگرمی و چستی رکھتے ہیں۔ اور بہت سے لوگ ہیں کہ ان میں سرگرمی نہیں ہوتی۔ لہٰذا عمل کے درجات کا اختلاف لازمی ہے، قرآن پاک نے اسی مضمون کو بیان فرمایا ہے:۔

ثُمَّ اَوْرَثْنَا الْكِتٰبَ الَّذِيْنَ اصْطَفَيْنَا	پھر کتاب کا وارث ان لوگوں کو بنایا جنہیں ہم نے

مِنْ عِبَادِنَا فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ وَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ وَمِنْهُمْ سَابِقٌ بِالْخَيْرَاتِ بِاِذْنِ اللّٰهِ ذٰلِكَ هُوَ الْفَضْلُ الْكَبِيْرُ۔

اپنے بندوں میں سے چنا تھا۔ ان میں بعض اپنے نفس پر ظلم کرنے والے ہیں اور بعض درمیانی طبقہ پر ہیں اور بعض خدا کے حکم سے نیکیوں میں ترقی کرتے چلے جاتے ہیں۔ یہی بہت بڑا فضل ہے۔

۸۔ **اسلام اور قطعی و غیر قطعی احکام**۔ چونکہ انسانوں کے عقل و فہم اور ہمت و کوشش کے متعلق مختلف درجے ہیں۔ اسی لئے کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلعم میں آیات و احادیث کے مختلف درجے ہیں۔ بعض ان میں قطعی الدلالت ہیں جن کے معنی صاف و روشن ہیں کہ انہیں ہر شخص سمجھ سکتا ہے اور ان میں بعض غیر قطعی الدلالت ہیں جن میں ہر ایک کو اپنے اجتہاد کے بموجب چلنے کا اختیار ہے۔ ایسے ہی مقامات پر آنحضور صلعم اپنے صحابہ میں سے ہر ایک کے اجتہاد کو درست قرار دیتے تھے چنانچہ جب شراب اور جوئے کے بارے میں سورۂ بقر کی آیت نازل ہوئی تو بعض صحابہ نے اس سے توبہ کر لی اور بعض نے نہیں کی، آنحضورؐ نے دونوں کے عمل کو برقرار رکھا یہاں تک کہ سورۂ مائدہ کی آیتیں نازل ہوئیں، جن میں شراب خواری اور قمار بازی کو قطعی حرام فرما دیا گیا۔

اس امر کی تفصیل یہ ہے کہ عام دینی فرائض اور عام دینی محرمات، صرف نص قطعی سے ثابت ہوتے ہیں جسے ہر شخص سمجھ سکتا ہے۔ احناف کا فرائض کے بارے میں اور جمہور کا محرمات کے بارے میں یہی مذہب ہے۔ لیکن وہ آیات جو ظنی الدلالت ہیں یا وہ حدیثیں جن کی روایت یا دلالت ظنی ہے تو یہ ان لوگوں کے نزدیک واجب العمل ہوں گی جن کے نزدیک ان کی مراد یا روایت پایۂ ثبوت و تحقیق کو پہنچ جائے۔ سیاسی و عدالتی مسائل میں اولی الامر اپنے اجتہاد کے مطابق ان پر عمل کرتا ہے۔

۹۔ **اسلام اور ظاہر و باطن**۔ اسلام نے یہ اصل مقرر کر دیا ہے کہ انسانی معاملہ کا

تعلق ظاہر سے ہے اور باطن کا معاملہ خدا ہی کے سپرد ہے۔ لہٰذا کسی حاکم، کسی رئیس اور کسی بادشاہ کو بھی یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ کسی کے عقیدہ یا دل کے خیال پر محاسبہ کرے اور سزا دے۔ حاکم سزا اسی وقت دے سکتا ہے جبکہ کوئی شخص ایسے عمل کا مرتکب ہو جو خلاف قانون ہو یا جس سے عام لوگوں کے حقوق و مفاد کو نقصان پہنچے۔

۱۰۔ **اسلام اور عبادت**۔ اسلام نے تمام عبادتوں کا دارومدار اس پر رکھا ہے کہ ظاہر میں حضرت محمد صلعم کی پیروی کی جائے اور ہر رکن اور ہر شرط میں آنحضورؐ کی اتباع کو ہاتھ سے نہ جانے دیا اور باطن میں اخلاص اور نیک نیتی کو سامنے رکھا جائے۔ اسلام کے نزدیک عبادت کی قبولیت کے لئے کسی پیشوائی اور افسری کی ضرورت نہیں ہے۔ جیسا کہ عیسائیوں کے یہاں ہے کہ بلا پادری کے توبہ کرائے ہوئے، خدا کی بارگاہ میں توبہ کا گذر بھی نہیں ہو سکتا۔

بس دل میں خلوص، توجہ الی اللہ اور نیازمندیؑ اور ظاہری عمل رسول اللہ صلعم کے طریقہ کے مطابق ہو۔ یہ دونوں باتیں ہیں تو خدا کے ہاں ہر انسان کے لئے قبولیت کا دروازہ کھلا ہوا ہے۔

چھٹا قرآنی لیکچر

قرآن کا سیاسی نظام

مذاہب عالم میں صرف اسلام کی یہ خصوصیت ہے کہ وہ اپنے آغوش میں دین و دنیا روح و مادہ اور اخلاق و سیاسیات کو ایک ساتھ انتہائی بلندیوں تک پہنچنے کا موقعہ دیتا ہے وہ دنیا میں نمودار ہوا تو اس کے ایک طرف روحانی پاکیزگیوں اور اخلاقی اچھائیوں کا صاف و شفاف چشمہ چمک رہا تھا اور دوسری طرف سیاست و حکومت اور عدل و انصاف کا عظیم الشان سمندر لہریں مار رہا تھا۔ ایک فطرتی اور عالمگیر مذہب کے لئے اس جامعیت کا ہونا ضروریات سے ہے۔ کیونکہ انسانوں کے بگڑے ہوئے معاملات کی اصلاح صرف اسی وقت ممکن ہے جبکہ مذہب کو سیاسی برتری بھی حاصل ہو اور حق و صداقت کو جاری کرنے اور باقی رکھنے کے لئے قوت انتظام بھی اس کے ہاتھ میں ہو تاکہ انصاف کے ساتھ حکومت کا قیام ہو۔ دین اور سلطنت دونوں ایک دوسرے کو مضبوطی دیں۔ اس لیکچر میں ہم ان اسلامی اصولوں کو بیان کریں گے جو سیاست و ملکی انتظام سے تعلق رکھتے ہیں۔

حکومت اسلامی کی بنیاد

اسلام کی قرارداد یہ ہے کہ حکومت کی باگ ڈور عوام کا اپنا حق ہے۔ حکومت کا انتظام شوریٰ کی شکل میں ہونا چاہئے۔ حکومت کا صدر یا پادشاہ، قوم کا امام و خلیفہ ہے جس کو یہ اختیار ہونا چاہئے کہ وہ قوانین نافذ کرے اور احکام کو جاری کرے۔ لیکن اس بادشاہ کو باقی رکھنے یا تخت سے اتارنے کا آخری حق قوم کے لئے بہر حال محفوظ رہیگا۔

اب اس سلسلے میں قرآنی آیات ملاحظہ ہوں۔ اس کا بنیادی حکم یہ ہے کہ حکومت کے معاملات مشورے سے انجام پانے چاہئیں۔ وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ یعنی ان کی

حکومت باہمی مشورہ سے ہے۔ مشورے کا حکم صرف اس بنا پر نہیں ہے کہ مشورہ کرنے سے عقل اور معلومات میں اضافہ ہو جاتا ہے، بلکہ اس بنا پر ہے کہ جن لوگوں پر حکومت کی جائے، اُن کا یہ حق ہے کہ وہ ہر حکم کے متعلق خود اپنا نفع و نقصان سوچ لیا کریں۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ عاقل اور عالم کون ہو سکتا ہے، تاہم قرآن نے انہیں بھی یہ حکم دیا کہ حکومت کے معاملے میں لوگوں سے مشورہ لیا کرو۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے، وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ۔ اے نبی! ان سے امور حکومت میں مشورہ کر لیا کیجئے۔ اس سے ثابت ہوا کہ اسلام کے نزدیک، قانون حکومت میں عوام سے مشورہ لینا، عوام کا ایک ضروری حق ہے۔ تاریخ گواہ ہے کہ اس قرآنی ارشاد کے مطابق پیغمبر اسلام، عام معاملات میں، وہ سیاسی ہوں یا جنگی، مالی ہوں یا اقتصادی، اپنے صحابہ سے مشورہ فرماتے تھے لیکن یاد رہے کہ یہ مشورہ انہیں امور میں ہوتا تھا جن کے متعلق صاف اور صریح حکم قرآن حکیم میں موجود نہ ہو۔ قرآن نے زندگی کے معاملات کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا ہے۔ احکام کا ایک واضح مقررہ اور اصولی حصہ وہ ہے جس کی بادشاہ اور رعیت سب کو اطاعت کرنی چاہئے۔ یہ حصہ دین ہے۔ دوسرا حصہ وہ ہے جس پر پہلے اصولی حصہ کی روشنی میں مشورہ باہمی سے طے کر کے عمل ہونا چاہئے۔ اس دوسرے حصہ کا اصل سرچشمہ عوام ہیں، مجلس شوریٰ انہیں طے کرتی ہے اور بادشاہ یا امام انہیں دیانتداری کے ساتھ نافذ کرتا ہے۔ سوال یہ ہے کہ خدا نے بہت سے معاملات قوم کے اجتہاد و مشورے پر کیوں چھوڑ دیئے؟ اس کا سبب یہ ہے کہ زمانہ اور حالات کے بدلنے سے قوم کی مصلحتیں بھی بدلتی رہتی ہیں، اگر خداوند تعالیٰ، انسانوں کو تمام امور میں بالکل پابند کر دیتا تو ہمارے لئے بعض اوقات بڑی دقتوں کا سامنا ہوتا۔ انتظام ملکی کے بارے میں قرآن کا فیصلہ یہ ہے:-

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ إِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ذَٰلِكَ خَيْرٌ وَأَحْسَنُ تَأْوِيلًا۔

اے ایمان والو! پیروی کرو اللہ کی اور پیروی کرو رسول کی اور اپنے حکام کی جو تم میں سے ہوں لیکن اگر کسی بات میں تمہاری نزاع ہو جائے تو اس کو اللہ اور رسول کی طرف لے جاؤ یعنی اپنے اختلافات کا فیصلہ، خدا و رسول کی محکم ہدایات کے سامنے رکھکر اُن کی روشنی میں کرو اگر تم خدا و یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہو۔ یہ بہتر ہے اور نتیجہ کے لحاظ سے یہی پالیسی سب سے اچھی ہے۔

اولی الامر سے مراد وہ حضرات ہیں جو اُمت کے انتظامیہ امور کے ذمہ دار ہوں اور قومی معاملات میں ایسی عمدہ اور ٹھوس رائے رکھتے ہوں کہ قوم ان پر بھروسہ کرتی ہو اور ان کی تجویزوں پر چلتی ہو۔ اولی الامر کے اس معنیٰ کی دلیل خداوند تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے، وَإِذَا جَاءَهُمْ أَمْرٌ مِنَ الْأَمْنِ أَوِ الْخَوْفِ أَذَاعُوا بِهِ وَلَوْ رَدُّوهُ إِلَى الرَّسُولِ وَإِلَى أُولِي الْأَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِينَ يَسْتَنْبِطُونَهُ مِنْهُمْ یعنی جب اُن پر امن یا خوف کا کوئی معاملہ آتا ہے تو وہ اسے مشہور کر دیتے ہیں حالانکہ اگر وہ اسے رسول اور اپنے اولی الامر کے سامنے پیش کرتے تو وہ لوگ جان جاتے جو معاملات کو سمجھتے ہیں۔ اس آیت سے ثابت ہے کہ اولی الامر سے یہاں مراد وہ حضرات ہیں جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہتے تھے اور جن کے سامنے امن و جنگ اور صلح و انتظام کے معاملات پیش کئے جاتے تھے اور آنحضور اُن سے نازک معاملات میں مشورہ فرمایا کرتے تھے۔ ان خاص حضرات کے علاوہ، مشورہ کی ایک دوسری صورت بھی رائج تھی جس کا تعلق جمہور عوام سے ہوتا تھا، یعنی پیغمبر اسلام خاص خاص صحابہ

سے بھی مشورہ لیتے تھے اور تمام مسلمانوں سے بھی مشورہ لیتے تھے اور ایسی صورت میں اکثریت رائے پر عمل کرتے تھے۔ تاریخ اسلام میں ان دونوں قسم کے مشوروں کی مثالیں موجود ہیں، مثلاً جب احد کی لڑائی کا سوال سامنے آیا تو پیغمبر اسلامؐ نے تمام مسلمانوں سے رائے دریافت فرمائی کہ مدینہ میں رہ کر کفار کا مقابلہ کیا جائے یا آبادی سے نکل کر کھلے میدان میں جنگ کی جائے، اگرچہ آنحضورؐ کی اور بعض بڑے بڑے صحابہ کی رائے یہی تھی کہ مدینہ میں رہ کر مقابلہ ہو مگر مسلمانوں کی اکثریت کی رائے یہ تھی کہ کھلے میدان میں جنگ کی جائے۔ آخر کار آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اکثریت کی رائے کو اختیار فرمایا اور مدینہ سے نکل کر کھلے میدان میں یہ لڑائی لڑی گئی۔ اب خواص سے مشورہ کرنے کی مثال بھی سن لیجئے جب بدر کی لڑائی میں بہت سے کفار قید ہو کر آئے تو آپ نے ان قیدیوں کے متعلق خواص اولی الامر سے مشورہ فرمایا تھا اور حضرت صدیق اکبرؓ کی رائے پر عمل کیا گیا۔ بہرحال قرآن وحدیث کی بیسیوں دلیلوں سے یہ حقیقت ثابت کی جا سکتی ہے کہ اسلام کے نزدیک ملک اور عدالت کے لئے قوانین بنانے کا اصل حق قوم کو ہے۔ حدیثوں میں قوم کے لئے جماعت کا لفظ استعمال کیا گیا ہے اور سینکڑوں مقامات پر جماعت اور جماعتی فیصلہ کے احترام پر زور دیا گیا ہے۔ اسی طرح قرآن پاک میں جگہ جگہ اس کی طرف اشارات موجود ہیں، چنانچہ پچھلی دونوں آیتیں جنہیں طریقہ حکومت کا ایک بنیادی قانون بنایا گیا ہے، ان کا عام مسلمانوں ہی سے تعلق ہے ان کے علاوہ عام احکام میں بھی قرآن پاک نے ہر جگہ مسلمانوں کی عام جماعت ہی کو مخاطب کیا ہے۔ مثلاً ایک جگہ ارشاد ہے بَرَاءَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖۤ اِلَى الَّذِیْنَ عٰهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِیْنَ۔ یعنی اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے اعلان بیزاری ہے، ان مشرکوں سے جن سے تم نے عہد کیا تھا۔ اس کے بعد کی آیتوں میں بھی جن کا معاہدوں اور صلح اور جنگ سے تعلق ہے،

عام مسلمانوں ہی سے خطاب ہے۔ اسی طرح ایک دوسری جگہ ایسا ارشاد کیا گیا ہے :-

وَاِنْ طَائِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا فَاِنْ بَغَتْ اِحْدٰهُمَا عَلَى الْاُخْرٰى فَقَاتِلُوا الَّتِيْ تَبْغِيْ حَتّٰى تَفِيْٓءَ اِلٰٓى اَمْرِ اللّٰهِ فَاِنْ فَآءَتْ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا بِالْعَدْلِ وَاَقْسِطُوْا اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ۔

اور اگر ایمانداروں کے دو گروہ آپس میں لڑ پڑیں تو ان کے درمیان صلح کرا دو۔ لیکن اگر ان میں سے ایک گروہ دوسرے کے خلاف چڑھائی کرے تو تم چڑھائی کرنے والے سے جنگ کرو یہاں تک کہ وہ حکم خدا کی طرف لوٹ آئے۔ جب ایسا ہو جائے تو دونو گروہوں میں انصاف سے صلح کرا دو اور عدل کرو بیشک اللہ تعالیٰ عدل کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔

اسی طرح قرآن پاک مالیات کے معاملہ میں مثلاً مال غنیمت کی تقسیم میں عام مسلمانوں سے خطاب کرتا ہے۔ پھر عورتوں کے متعلق جو احکام ہیں ان میں بھی روئے سخن عموماً عام مسلمانوں ہی کی طرف ہے۔ اس سے صاف ثابت ہے کہ قرآن کا اصل خطاب افراد سے نہیں، بلکہ قوم سے ہے، اور اس کا قوم سے اسی بنا پر خطاب ہے کہ قرآن کے نزدیک حقوق و اختیار کے اصل وارث، چند حکام نہیں بلکہ پوری قوم ہے۔ یہی سبب ہے کہ وہ علمائے اسلام جو علوم اسلام میں گہری نظر رکھتے ہیں، انہوں نے یہ صاف صاف لکھ دیا ہے کہ اسلام میں قوت اور امتیاز کی اصل مالک قوم ہے مگر قوم کی اس قوت کا استعمال، ان حضرات کے ذریعہ سے ہوتا ہے جنہیں قوم منتخب کرے اور یہی حضرات خلیفہ یا امام کو منتخب کرتے ہیں اور اگر یہ تقرر کسی دینی یا قومی مصلحت کے خلاف پڑ جائے تو وہ اسے معزول بھی کر سکتے ہیں۔

امام رازی خلافت کی تعریف میں لکھتے ہیں کہ دینی اور دنیوی حیثیت سے یہ ایک عام سرداری ہے جو چند اشخاص میں سے ایک کو بخشی جاتی ہے۔ یہاں چند اشخاص سے مراد

قوم کے وہ بڑے بڑے لوگ ہیں جو معاملات میں دیانت کے ساتھ ساتھ علم و عقل سے بھی بہرہ ور ہوں۔ پس اگر کسی وقت امام یا خلیفہ اپنے فسق کی وجہ سے معزول کردیا جائے تو انہی اشخاص میں سے کسی کو خلیفہ بنا لیا جائے۔ حکومت اسلامیہ کا یہ وہ بنیادی اصول ہے، جس نے انسان کی تمام سیاسی گمراہیوں کی اصلاح کی ہے۔ دنیا ہر قسم کی ترقیوں کے باوجود آج تک اس سے بہتر اصول پیش نہیں کر سکی۔ یہاں یہ حقیقت بھی پیش نظر رہے کہ قرآن نے یہ سیاسی نکتہ اس زمانہ میں دنیا کے سامنے رکھا جب تمام دنیا میں شخصی حکومتیں قائم تھیں اور مخلوق خدا اپنے دینی اور دنیوی امور میں بادشاہوں کی بوالہوسی اور ظلم و ستم کا شکار تھی۔ ایسے تاریک زمانے میں حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی نے سب سے پہلے اس جمہوری حکومت کا جلوہ دنیا کو دکھایا تھا۔ جب کوئی سیاسی معاملہ پیش آتا یا مفاد عوام کے متعلق کوئی بات ہوتی تو آپ قوم کے سمجھدار لوگوں سے عموماً اور کبھی کبھی عام پبلک سے مشورہ فرماتے۔ حالانکہ حضورؐ کو اس کی قطعاً ضرورت نہ تھی لیکن آپ نے یہ عمل اس لئے جاری فرمایا کہ آپ کے بعد یہ نیک دستور تمام مسلمانوں میں جاری ہو جائے۔ جب حضورؐ اس دنیا سے رخصت ہوگئے تو خلفاء راشدین نے اس دستور پر عمل فرمایا۔ چنانچہ حضرت ابوبکرؓ خلیفہ ہونے کے بعد پہلی مرتبہ منبر پر تشریف لائے تو آپ نے سب سے پہلے یہ اعلان فرمایا "اے لوگو! میں تمہارے معاملات کا ذمہ دار بنایا گیا ہوں، اگرچہ میں تم سب سے بہتر نہیں ہوں لہذا اگر ٹھیک راستہ پر رہوں تو میرا ساتھ دینا اور اگر صحیح راہ سے ہٹ جاؤں تو تم مجھے ٹھیک کر دینا"۔ آپ کے بعد حضرت عمرؓ خلیفہ ہوئے تو آپ نے بھی یہی فرمایا کہ ہر مسلمان کو اختیار ہے کہ جب مجھ میں کوئی کجی دیکھے تو سیدھا کردے۔ یہ سنتے ہی ایک بدوی نے چلا کر کہا، اگر ہم تمہیں غلط راستے پر چلتے ہوئے دیکھیں گے تو تلوار سے ٹھیک کریں گے۔ حضرت عمرؓ نے یہ سن کر خدا کا شکر کیا اور فرمایا، یہ خدا کا احسان ہے کہ اس نے مسلمانوں

میں ایسے لوگ پیدا کر دیئے ہیں جو عمر کو تلوار کے ذریعہ سے ٹھیک کر سکتے ہیں۔ تاریخ اسلام سے ظاہر ہے کہ حضرت عمرؓ کا طرز عمل بھی یہی تھا، جن معاملات میں کوئی صریح آیت یا حدیث نہ ملتی تو آپ بڑے بڑے صحابہ کو جمع فرماتے اور ان سے مشورہ لے کر اس کے مطابق عمل پیرا ہوتے۔ حضرت عثمانؓ نے بھی عام بیعت کے بعد یہی ارشاد فرمایا تھا: "اے قوم! میں اپنے فیصلہ میں تمہارے فیصلوں کا تابع ہوں۔ خلیفہ چہارم حضرت علیؓ کا کوئی جملہ جو اس مضمون پر مشتمل ہو مجھے اس وقت یاد نہیں ہے لیکن ایسے متعدد واقعات موجود ہیں جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ آپ کا عمل بھی اسی طریقہ پر تھا۔

لیکن اگر ان تفصیلات سے آنکھ بند کر لی جائے تو اس بنیادی اصول کے لیے یہ مختصر جملہ کافی ہے کہ جب خدا نے اپنے رسول کو مشورہ کا حکم دیا ہے تو دوسرے لوگ بدرجہ اولیٰ اس کے مخاطب ہوں گے اور ان پر بہت زیادہ ضروری ہو گا کہ وہ مشورے سے قوم کا انتظام کریں۔ یہ کسی طرح نہیں ہو سکتا کہ اسلامی حکومت کا نظام عربی ملکہ سبا سے گرا ہوا ہو جو مشورہ پر قائم تھی۔ اگرچہ بعض فقہاء نے اپنے اپنے بادشاہوں اور حاکموں کو خوش کرنے کے لئے مشورہ کرنے کو مستحسن یا بہتر قرار دیا ہے مگر وہ علماء جو قرآن، حدیث، سیرت نبویؐ، اجماع امت پر نظر رکھتے ہیں اور پھر ان کی نیتیں بھی صاف ہیں، ان کا فیصلہ یہی ہے کہ حکومت اسلامیہ کی بنیاد مشورہ پر ہے اور یہ مجلس شوریٰ واجب اور ضروری ہے محض مستحسن نہیں ہے۔

خلفائے راشدین کے بعد مسلمان بادشاہوں نے اس اسلامی اصول کو چھوڑ دیا اور حکومت اسلامی بھی میراث کی طرح باپ سے بیٹے کی طرف منتقل ہونے لگی۔ اِدھر علماء سوء اور مفسد امراء نے ان کی ہمت افزائی کی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ رفتہ رفتہ مسلمان اپنے اسلامی حکومت کے قاعدے سے بالکل ناواقف ہو گئے اور ان کے خیال میں بھی یہی بات جم گئی کہ

اسلامی حکومت بھی شخصی ہوتی ہے اور حکومت کے قیام و بقاء میں عام مسلمانوں کو کوئی دخل نہیں۔ ادھر مسلمانوں نے یہ افسوسناک پلٹا کھایا، اُدھر یورپ نے ان اسلامی اصول کو مسلمانوں سے سیکھا اور اپنے ہاں رائج کیا۔ یہ اہل یورپ کی خوش قسمتی تھی کہ انہیں سلطان صلاح الدین ایوبی جیسے سچے مسلمان بادشاہ سے مقابلہ کرنا پڑا جو اپنی حکمرانی میں خلفائے راشدین اور عمر ابن عبدالعزیز کے نقش قدم پر چلتا تھا۔ اسی بادشاہ کا ایک واقعہ ہے کہ اس کے ایک خاص مصاحب نے اس سے ایک شخص کی زیادتی کی، سلطان نے کہا کہ اس معاملہ میں میرا کوئی دخل نہیں ہے۔ میں خود کچھ بھی نہیں ہوں۔ قانون شریعت ہر خاص و عام پر حاوی ہے۔ اس کے لئے قاضی شرع مقرر ہے۔ تم قاضی کے سامنے اپنا معاملہ پیش کرو جو حق ہوگا، فیصلہ میں ظاہر ہو جائیگا۔ سلطان کے کہنے کا مقصد یہ تھا کہ اسے ذاتی اختیار کچھ بھی نہیں ہے وہ محض قانون کو نافذ کرسکتا ہے اور قاضی اپنی جگہ پر بالکل آزاد ہیں، بادشاہ کے دباؤ میں نہیں ہیں۔ کیونکہ انہیں عدل و مساوات کے قانون کی بنا پر فیصلہ کرنا ہوتا ہے۔

اہل یورپ نے اسلامی حکومت میں عدل و مساوات کا یہ منظر دیکھا تو مطلق العنانی اور شخصی جبر کی جگہ ان کو جمہوریت و حریت کی روشنی نظر آئی۔ پھر انہوں نے اسلامی تاریخ کا مطالعہ کیا اور حکومت اسلامی کے بلند و انصاف پرور اصول سے آگاہ ہوئے، ان سے واقف ہو کر انہوں نے اپنی حکومتیں بھی اسی بنا پر قائم کیں کہ اختیارات کی اصلی طاقت قوم ہی کے ہاتھوں میں رہے۔

مگر اہل یورپ نے دعویٰ یہ کیا کہ اس طرز حکومت کی ایجاد کا سہرا انہیں کے سر ہے اس سے بھی بڑھکر صرف اسلامی حکومتوں پر نہیں بلکہ خود اسلام پر یہ طعن کرنے لگے کہ وہ شخصی حکومت کا حامی اور جمہوریت کا دشمن ہے۔ انہوں نے یہ پروپیگنڈا اتنے زور سے کیا کہ

بہت سے مسلمان بھی اس سے مرعوب ہو کر چلا اٹھے کہ اسلامی حکومتوں کی اصلاح و ترقی محض یورپ والوں کی تقلید سے ہو سکتی ہے۔ افسوس کہ یہ بے خبر لوگ اپنی اصلیت کو اتنا بھول گئے کہ آج اپنے سرمایہ کو دوسروں کی ملک قرار دے رہے ہیں۔

قانون سازی کے چار اصول

اہل سنت کے نزدیک قانون سازی کے بنیادی اصول چار ہیں۔ (۱) قرآن مجید جو چیز قرآن سے ثابت ہے وہ اسلامی قانون ہے۔ اس بارے میں علمائے اصول کا مشہور قول یہ ہے کہ وہ قرآنی آیات جن کا تعلق دینی قانونی اور سیاسی احکام سے ہے، وہ کل آیات قرآنی کا دسواں حصہ ہیں۔ بعض علماء نے شمار کر کے بتایا ہے کہ عبادات اور معاملات کے متعلق کل پانچ سو آیتیں ہیں۔ میرا خیال یہ ہے کہ اس سے ان حضرات کی مراد، اُن آیتوں سے ہے جن میں صراحت کے ساتھ کوئی حکم بیان کیا گیا ہے اور وہ زیادہ تر دین کے متعلق ہیں کیونکہ اکثر دنیاوی معاملات لوگوں کے دستور اور اجتہاد پر چھوڑ دیئے گئے ہیں۔ (۲) قانون سازی کی دوسری بنیاد حدیث شریف ہے۔ یہ احکام قرآن کی تشریح ہے، اسے خواہ پیغمبر اسلام نے اپنی زبان سے ارشاد فرمایا ہو یا عمل کر کے دکھلا دیا ہو۔ علماء نے تحریر فرمایا ہے کہ اصولی احکام کی حدیثیں بھی پانچ سو اور تین ہزار کے قریب وہ احادیث ہیں جو ان احکام کے متعلقات سے ہیں (۳) اجماع امت۔ اہل سنت کا اس پر اتفاق ہے کہ دینیات میں صحابہ کا اجماع حجت (ایک قابل تسلیم قانون) ہے اور شیعوں کے نزدیک اہل بیت کا اجماع ایک مسلمہ قانون اور قطعی دلیل ہے۔ اس کے بعد مجتہدین کے اجماع میں اختلاف ہے (۴) اجتہاد و قیاس۔ اس سے مراد اماموں، قاضیوں، حاکموں اور سپہ سالاروں کا اجتہاد (رائیں اور فیصلے) ہے جو عدالتی، سیاسی، انتظامی اور جنگی معاملات کے متعلق ہو۔ بعض علماء نے اجتہاد کو قیاس کے ساتھ خاص کر دیا ہے اور بعض نے قیاس کا بالکل انکار کر دیا ہے۔ خود

قیاس کر کے قانون بنانے اور فیصلہ کرنے کی ضرورت اس وقت پیش آتی ہے جبکہ پہلے تینوں اصول کسی معاملہ کی بابت خاموش ہوں۔ قیاس و اجتہاد کو تسلیم کرنے کی شرط یہ ہے کہ وہ اوپر کے تینوں اصولوں میں سے کسی کے مخالف نہ ہوں۔

قانون سازی کے یہ چاروں اصول اور ان کی ترتیب احادیث اور آثار صحابہ سے ہوتی ہے۔ اس سلسلہ میں حضرت معاذ کا واقعہ مشہور ہے جب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ کو یمن کی طرف بھیجنے کا ارادہ فرمایا تو پوچھا، معاذ! معاملات کا فیصلہ کس طرح کیا کرو گے؟ انہوں نے جواب دیا، حضور، کتاب الٰہی کے مطابق فیصلہ کروں گا۔ آپ نے پوچھا، اگر کتاب الٰہی میں صریح حکم نہ ہو تو کیا کرو گے؟ انہوں نے جواب دیا کہ سنت رسول اللہ کے مطابق فیصلہ کروں گا۔ حضورؐ نے دریافت فرمایا، اگر تم سنت میں بھی اس کے متعلق کچھ نہ پاؤ۔ جواب دیا، ایسی صورت میں بس اپنے اجتہاد سے کام لوں گا اور کوئی کوتاہی نہ کروں گا۔ حضورؐ نے یہ سن کر حضرت معاذ کے سینہ پر ہاتھ مارا اور پھر فرمایا: خدا کا شکر ہے جس نے رسول اللہؐ کے قاصد کو اس امر کی توفیق بخشی جس میں رسول اللہؐ کی رضامندی ہے۔ (ابو داؤد و ترمذی)

خلفائے راشدین کے زمانہ میں اسی ترتیب سے عمل ہوتا رہا اور اسی بات کا حکم حضرت قاضی شریح کو اپنے مشہور خط میں دیا۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک صاف حدیث ہے جسے تمام محدثوں نے نقل کیا ہے۔ اس سے حکام کے لئے اجتہاد کا جواز ثابت ہوتا ہے۔ حدیث یہ ہے کہ جب کسی حاکم کے سامنے معاملہ پیش ہو اور وہ اپنے اجتہاد سے اس کا فیصلہ کرے، تو اگر فیصلہ ٹھیک ہوتا ہے تو اسے دو ثواب ملتے ہیں اور اگر فیصلہ غلط ہوتا ہے تو ایک ثواب ملتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم لشکر کے سرداروں کو ہدایت فرمایا کرتے تھے کہ مصلحت وقت کے مطابق اپنی رائے سے کام لو۔ چنانچہ حضورؐ نے ان میں سے

ایک کو فرمایا کہ جب تم کسی قلعہ کا محاصرہ کرو اور قلعہ والے تم سے کہیں کہ فیصلہ الٰہی کے مطابق وہ ہتھیار رکھ دینے پر آمادہ ہیں تو تم اس کو نہ مانو بلکہ انہیں مجبور کرو کہ وہ تمہارے فیصلہ کے سامنے ہتھیار رکھ دیں، کیونکہ تمہیں معلوم نہیں کہ حکم الٰہی کے مطابق ان کے ساتھ برتاؤ کرسکو گے یا نہیں ؟ یہ حدیث بہت صراحت کے ساتھ یہ بتا رہی ہے کہ سیاسی اور لشکری احکام، خلفاء، سرداروں اور سپہ سالاروں کے سپرد ہوتے ہیں اور وہ مصلحت وقت کے مطابق احکام نافذ کرتے رہتے ہیں۔

اجتہاد کے قاعدے

کتاب وسنت کے بعض احکام تو اعمال اور واقعات کے ساتھ خاص ہیں اور بعض میں قانون سازی کے عام اصول بیان کئے گئے ہیں۔ خاص احکام کی دو قسمیں ہیں کچھ ایسے ہیں جو روایت اور معنی پر دلالت کے لحاظ سے قطعی ہیں اور ان میں اجتہاد کی بالکل گنجائش نہیں ہے، نیز ان کی تعمیل سے گریز کرنے کی بھی کوئی ضرورت نہیں، ہاں کوئی مانع شرعی پیش آجائے یا کوئی ضرورت اور مجبوری کا عذر سامنے ہو تو اور بات ہے مثلاً حدود شرعیہ ہیں کہ اگر شبہ ہو تو انہیں جاری نہیں کیا جاتا۔ اسی سلسلے میں حضرت عمرؓ کا وہ فرمان بھی ہے جو آپ نے قحط کے زمانہ میں جاری فرمایا تھا کہ چور کے ہاتھ نہ کاٹے جائیں۔ خاص احکام کی دوسری قسم وہ ہے جو قطعی نہیں ہوتے۔ ان میں حکام، سپہ سالاروں اور قاضیوں کے اجتہاد پر عمل کیا جاتا ہے۔

خاص احکام کے علاوہ، عام احکام ہیں جن کی رعایت بے حد ضروری ہے، وہ حسب ذیل ہیں (۱) ہر حال میں جہاں تک ممکن ہو حق اور انصاف کو تلاش کیا جائے (۲) حقوق، شہادتوں اور احکام میں مساوات کی رعایت کی جائے (۳) مصالح کی حفاظت ہونی چاہئے (۴) مفاسد کو روکا جائے (۵) حدود کو شبہات کی وجہ سے قائم

نہ کیا جائے (۶) ضرورت کی وجہ سے ممنوعات کو مباح سمجھا جائے (۷) وہ حکم جو ضرورت کی بنا پر ہو، اُسے ضرورت ہی تک محدود رکھا جائے (۸) معاملات کی بنیاد اس قاعدے پر رکھی جائے کہ نیکیاں حاصل ہوں اور برائیاں دور کی جائیں۔

قرآنی حکومت کا مقصد اقصیٰ

قرآن کے نزدیک، تمام احکام اور قوانین کی اچھائی، قانون عدل پر موقوف ہے۔ ہر حکم اور ہر قانون جس میں عدل کی رعایت نہ ہو کبھی انسانوں کی فلاح و بہبودی کا سبب نہیں بن سکتا۔ اس لئے خدا تعالیٰ نے مکی اور مدنی سورتوں میں اس پر بہت زور دیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے :-

اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُکُمْ بِالْعَدْلِ وَ الْاِحْسَانِ ۔ بیشک خدا تمہیں عدل کا اور احسان کا حکم دیتا ہے۔

پھر دوسری جگہ ارشاد ہے :-

اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُکُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰۤی اَھْلِھَا وَ اِذَا حَکَمْتُمْ بَیْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْکُمُوْا بِالْعَدْلِ ۔

بیشک خدا تمہیں یہ حکم دیتا ہے کہ امانتیں ان کے مالکوں کے حوالہ کرو اور جب لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو انصاف کے ساتھ فیصلہ کرو۔

پھر ارشاد ہے :-

یٰۤاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُوْنُوْا قَوّٰمِیْنَ بِالْقِسْطِ شُھَدَآءَ لِلّٰہِ وَ لَوْ عَلٰۤی اَنْفُسِکُمْ اَوِ الْوَالِدَیْنِ وَ الْاَقْرَبِیْنَ اِنْ یَّکُنْ غَنِیًّا اَوْ فَقِیْرًا فَاللّٰہُ اَوْلٰی بِھِمَا ۔ فَلَا تَتَّبِعُوا الْھَوٰۤی اَنْ تَعْدِلُوْا

اے ایمان والو! انصاف کو قائم کرنے والے بنو۔ اور گواہی خدا کے لئے دو، اگرچہ وہ خود تمہارے والدین یا رشتہ داروں کے خلاف پڑے۔ اگر کوئی شخص مالدار یا غریب ہے تو اللہ تعالیٰ ان کا تم سے زیادہ خیر خواہ ہے، لہٰذا خواہشات کی پیروی کر کے

وَاِنْ تَلْوٗا اَوْ تُعْرِضُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا۔	انصاف سے نہ ہٹو اور اگر گول مول باتیں کرو گے یا عدل سے ہٹو گے تو خدا تمہارے عمل سے خبردار ہے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے نہایت قوت سے عدل کے قیام کا حکم فرمایا ہے کیونکہ قوام صیغہ مبالغہ ہے جس کی وجہ سے آیت کے معنی یہ ہونگے کہ نہایت مضبوطی سے عدل کو قائم کرو اور اس میں ذرا بھی سستی اور کوتاہی کو دخل نہ دو۔ اس کے ساتھ یہ بھی حکم دیا گیا کہ تم نہ مدعی کے لئے شہادت دو، نہ مدعا علیہ کے لئے۔ بلکہ دونوں کے مفاد اور مصالح سے بالاتر محض اللہ کے لئے شہادت دو۔ یہاں تک کہ سچی گواہی اگر خود تمہارے یا تمہارے والدین اور رشتہ داروں کے خلاف بھی پڑے تو بھی اس میں کوتاہی نہ کرو شہادت حق میں اس قدر ثابت قدم رہو کہ کسی امیر کی محبت یا کسی فقیر پر شفقت و مہربانی کا خیال تمہیں اس سے نہ ہٹا دے۔ اگر کوئی شخص اس حکم کی تعمیل نہیں کرتا تو خداوند تعالیٰ نے اسے عذاب کی دھمکی دی ہے۔ یہی مضمون دوسری جگہ اس طرح بیان کیا گیا ہے:-

يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوَّامِيْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ۔ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعْدِلُوْا اِعْدِلُوْا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى۔ وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌ بِمَا تَعْمَلُوْنَ۔	اے ایمان والو! خدا کے نام پر کھڑے ہو جاؤ انصاف کے ساتھ گواہی دینے کے لئے اور کسی کی دشمنی تمہیں انصاف کے خلاف نہ ابھارے عدل کرو کہ عدل کرنا ہی انسان کو تقویٰ سے زیادہ قریب لے جاتا ہے۔ خدا سے ڈرتے

رہو کیونکہ وہ تمہارے اعمال سے باخبر ہے۔

اس آیت نے پہلی آیت کے مضمون کو بالکل پورا کر دیا ہے۔ کیونکہ پہلی آیت میں بیان تھا کہ کوئی قرابت یا کسی کی محبت تم کو شہادت حق سے نہ روکے۔ اس آیت میں بیان ہوا کہ کسی کی دشمنی میں بھی پڑکر تم عدل و انصاف سے باز نہ رہو۔ واضح رہے کہ

دنیا میں محبت یا عداوت دونو باتیں ہی عمل وانصاف سے ہٹانے والی ہوتی ہیں۔ خدا نے دونوں کا ذکر کرکے حکم عدل کو مکمل فرمایا ہے اور ظلم کے ہر دروازہ کو بند کر دیا ہے۔ یہاں یہ بھی خیال رہے کہ عداوت خواہ کسی قسم کی ہو، دینی ہو یا دنیوی، کسی سبب سے بھی عدل کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑا جا سکتا کیونکہ خداوند تعالیٰ نے یہاں شنان کا لفظ استعمال فرمایا ہے جس کے معنی بغض و عداوت کے ہیں۔ مقصود یہ ہے کہ خواہ دوسروں کو تم سے عداوت ہو یا تمہیں ان سے دشمنی ہو۔ دونوں حالتوں میں عدل پر جمے رہو۔ بہرحال پہلی آیت میں کسی کی طرفداری کرنے سے روکا گیا ہے اور اس دوسری آیت میں عداوت و مخالفت کی بنا پر عدل وانصاف سے تجاوز کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ قرآن نے دونوں قسم کے لوگوں کو یہ بتایا ہے کہ اللہ کسی طرح بھی ظالموں اور ناحق پسندوں کو دوست نہیں رکھتا۔

قرآن پاک میں عدل کو میزان (ترازو) کے لفظ سے بھی تعبیر کیا گیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے، اَللّٰهُ الَّذِیْ اَنْزَلَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ وَالْمِیْزَانَ۔ وہ خدا ہی ہے جس نے حق کے ساتھ قرآن اور میزان (انصاف) کو نازل فرمایا۔ دوسری جگہ یوں حکم دیا گیا ہے:۔

لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَیِّنٰتِ وَ اَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِیْزَانَ لِیَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ وَاَنْزَلْنَا الْحَدِیْدَ فِیْهِ بَاْسٌ شَدِیْدٌ وَّ مَنَافِعُ لِلنَّاسِ۔	ہم نے اپنے رسول کھلی نشانیوں کے ساتھ بھیجے اور کتاب و میزان (انصاف) ان کے ساتھ اتاری تاکہ لوگ انصاف کو قائم کریں اور لوہا اتارا جس میں شدید ہیبت ہے اور لوگوں کے لئے فوائد ہیں۔

پس سب سے بہتر لوگ وہ ہیں جو قرآنی ہدایتوں کی وجہ سے ظلم اور زیادتی سے باز رہیں۔ ان کے بعد وہ لوگ ہیں جنہیں انصاف و عدل سلطانی جور سے باز رکھے اور سب سے زیادہ بدتر وہ لوگ ہیں، جو صرف تلوار سے رکتے ہیں۔ اس آیت میں حدید

سے مراد حکومت کی سزا اور تعزیر ہے۔ اس آیت سے ثابت ہوا کہ دنیا کی بہتری کا راز انہیں دونوں باتوں میں پوشیدہ ہے، یا تو لوگ کتاب الٰہی پر صدق دل سے ایمان لائیں اور اس کی وجہ سے ظلموں اور برائیوں سے بچتے رہیں کیونکہ اصلی ایمان وہی ہے جو خوف خدا اور عذاب آخرت کی وجہ سے ظلم کی جرأت نہ کرے۔ اس کے بعد دوسرا درجہ یہ ہے کہ بادشاہ کا خوف ظلم کے ہاتھ کو قطع کر دے۔

قاعدۂ عدل وانصاف کی تائید ان آیتوں سے بھی ہوتی ہے جن میں ظلم کو حرام ٹھیرایا گیا ہے اور اس کے ارتکاب پر عذاب سخت کا وارد ہونا ذکر کیا گیا ہے قرآن پاک میں سینکڑوں آیتیں ایسی ہیں جن میں ظلم کا ذکر مذمت کے ساتھ کیا گیا ہے اور اس کی دنیاوی واخروی سزائیں بیان کی گئی ہیں۔ یہ بھی ذکر ہے کہ ظلم علت اور سبب ہے اور تباہی اور بربادی اس کا معلول ومسبب ہے اور دنیا وعاقبت میں جو بھی بلائیں پیش آتی ہیں، وہ خدا کے ظلم کی وجہ سے نہیں بلکہ خود انسانوں کے ظلم کا نتیجہ ہوتی ہیں۔ خدا کی شان یہ بیان کی گئی ہے، وَلَا يَظْلِمُ رَبُّكَ أَحَدًا ۔ اور تیرا پروردگار کسی شخص پر بھی ظلم نہیں کرتا۔ دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے، وَمَا كَانَ رَبُّكَ لِيُهْلِكَ الْقُرَىٰ بِظُلْمٍ وَأَهْلُهَا مُصْلِحُونَ ۔ اور خدا کی شان ہی نہیں کہ وہ ظلم سے کسی بستی کو ہلاک کر دے، حالانکہ اہل بستی اصلاح یافتہ ہوں۔ یعنی خدا کی شان یہ نہیں ہے کہ وہ قوموں پر ظلم کر کے انہیں ہلاک کر دے جبکہ وہ اپنی اصلاح میں مصروف ہوں۔ ہاں جب ان میں صرف ظلم اور فتنہ وفساد ہی باقی رہ جاتا ہے تو عذاب آجاتا ہے۔ وَتِلْكَ الْقُرَىٰ أَهْلَكْنَاهُمْ لَمَّا ظَلَمُوا وَجَعَلْنَا لِمَهْلِكِهِم مَّوْعِدًا ۔ ان بستیوں کو ہم نے تباہ کر دیا، جب انہوں نے ظلم کیا اور ان کی تباہی کا ہم نے وقت مقرر کر رکھا تھا توضیح مطالب کے لئے اسی قدر آیات کافی ہیں، تفصیل کے لئے قرآن پاک کی تلاوت کرو

تمہیں معلوم ہوگا کہ بعض مظالم افراد سے متعلق ہوتے ہیں اور بعض اقوام سے متعلق ہوتے ہیں اور یہ کہ انسان خود اپنے اوپر بھی ظلم کرتا ہے اور دوسرے لوگوں پر بھی ظلم کرتا ہے۔ اور یہ ظلم یا تو حکم میں ہوتا ہے یا قول اور عمل میں۔ ظلم مالی بھی ہوتا ہے اور ظلم بدنی بھی ہوتا ہے۔ ان تمام ظلموں کا نتیجہ یہ ہے کہ ظالم کبھی فلاح نہیں پاتا۔ اس بیان سے حکومت اسلامی کا مقصد آشکارا ہوگیا اور اس کی تعبیر صرف دو لفظوں میں ہوسکتی ہے: عدل کا قیام اور ظلم کا استیصال۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے جو دین کے ساتھ دنیاوی حکومت بھی اپنے ہاتھوں میں لی، وہ محض اسی مقصد کے لئے تھی، خلفائے راشدین کا تخت کو قبول کرنا بھی اسی مقصد کے لئے تھا، قرن اول میں مسلمانوں نے جو دوسری حکومتیں اپنے قبضہ میں کیں وہ بھی اسی لئے تھیں کہ غرباء کو ظلم سے نجات دلائیں اور عدل وانصاف کا ڈنکہ بجے۔

ساتواں قرآنی لیکچر

قرآن اور مالی اصلاحات

ہم پہلے لیکچروں میں بیان کر چکے ہیں کہ اسلام نے انسانی زندگی کے مختلف پہلوؤں میں کیسی پاکیزہ اور بلند اصلاحات پیش کی ہیں۔ دینداری، ایمان، عقائد اور عمل کی اونچی تعلیمات کا ذکر ہو چکا۔ علم و حکمت اور سیاست و حکومت کے اعلیٰ اصولوں پر بھی روشنی ڈالی جا چکی۔ اب ہم اس اہم مسئلہ کو بیان کریں گے جو اس دنیا کے بڑے سے بڑے فتنوں اور فسادوں کا سرچشمہ بنا رہا ہے اور جس کا صحیح حل نہ ہو سکنے کے باعث آج بھی آدھی سے زیادہ دنیا سخت ترین مصیبت میں گرفتار ہے۔ یہ اہم مسئلہ، دولت اور غریبی کا مسئلہ ہے۔ افراد ہوں یا قومیں اور جماعتیں، موجودہ زمانے میں اُن کی ترقی یا زوال کا بہت بڑا انحصار اُن کے مالی نظام کی درستی اور بے درستی پر موقوف ہے۔ آج دنیا کے ہر گوشے میں امیری و غریبی اور سرمایہ و محنت کی جنگ جاری ہے اور وہ ہر روز بڑھتی جا رہی ہے۔ اس کا سبب بھی دنیا کے نظام مالی کی خرابی ہے۔ مسلمان آج ہر میدان میں شکست پر شکست کھا رہے ہیں۔ اس کی وجہ غربت و فلاکت نہیں بلکہ صحیح وجہ مالی کا غلط استعمال ہے۔ اس بحث کے یہ معنی ہیں کہ موجودہ دنیا میں دولت اور سرمایہ داری کا سوال، ایک آخری حل طلب سوال ہے۔ ناظرین اس بحث کو نہایت غور سے پڑھیں چونکہ دولت کا موضوع نہایت اہم موضوع تھا، اس واسطے قرآن پاک نے بھی اس کی ہر حیثیت پر نہایت تفصیلی روشنی ڈالی ہے۔ ہم ان تمام تفصیلات کو سمیٹ کر سات عنوانوں میں بیان کرینگے۔

۱۔ دولت کے متعلق قرآنی نظریہ

دولت اچھی ہے یا بری ہے؟ نفس مال و دولت کے بارے میں قرآن نے بنیادی خیال

اور نظریہ پیش کیا ہے وہ یہ ہے کہ دولت امتحان ہے۔ یعنی دولت، انسانی زندگی کے امتحان و آزمائش کا ایک بہت بڑا ذریعہ ہے۔ اس سے انسان اپنی زندگی بنا بھی سکتا ہے اور برباد بھی کر سکتا ہے۔ اس سے خیر بھی حاصل کر سکتا ہے اور شر بھی۔ اس کا کمانا اور خرچ کرنا دونوں، بڑی بڑی لڑائیوں اور باہمی رشک و حسد کا سبب ہیں۔ اس سے تمام طور پر دنیاوی ترقی حاصل ہو سکتی ہے اور زندگی کے تمام مفاد اور مصالح کا دارو مدار بھی اسی پر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ابتدائے آفرینش سے آج تک اکثر قوموں اور سلطنتوں، قبیلوں اور اشخاص میں، اسی کی وجہ سے جنگ ہوتی رہی۔ پھر اسی کی وجہ سے دنیا کی بڑی بڑی مشکلات بھی حل ہوتی رہی ہیں اور ہو رہی ہیں۔ سرمایہ اور دولت کی اسی حیثیت کو مدنظر رکھ کر علم الاجتماع کے بعض محققین نے تو یہاں تک لکھ دیا ہے کہ دنیا کے تمام سیاسی، ملکی، اجتماعی اور مذہبی انقلابات صرف دولت ہی کی وجہ سے پیدا ہوئے ہیں۔ ہمارے زمانہ کے بہت سے علماء نے بھی دنیا کے مالی نظام کی اصلاح کے لئے بہت بڑی اور ضخیم کتابیں تحریر کی ہیں مگر ان کتابوں میں کہیں اصلاح کی صورت پیدا نہیں ہوئی لہٰذا ضرورت ہے کہ اس بارے میں قرآنی اصلاحات پر نظر ڈالی جائے۔ قرآن نے دولت کے متعلق بنیادی بات یہ کہی ہے کہ وہ فتنہ (امتحان) ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے: لَتُبْلَوُنَّ فِيْٓ اَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ۔ یعنی تمہارے مال اور جان میں تمہارا امتحان کیا جائے گا۔ انبیاء کرام مال و دولت کو بالکل اسی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ چنانچہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے تخت بلقیس اپنے سامنے دیکھا تو فرمایا: هٰذَا مِنْ فَضْلِ رَبِّيْ لِيَبْلُوَنِيْٓ ءَاَشْكُرُ اَمْ اَكْفُرُ۔ یہ میرے پروردگار کا فضل ہے اور یہ اس لئے ہے تاکہ میری آزمائش کرے کہ میں شکر کرتا ہوں یا ناشکر گذار بنتا ہوں؟ پھر دوسری جگہ زیادہ صراحت کے ساتھ ارشاد ہوا ہے: وَمَآ اَمْوَالُكُمْ وَلَآ اَوْلَادُكُمْ بِالَّتِيْ تُقَرِّبُكُمْ عِنْدَ

نا زُلفیٰ اِلَّا مَنْ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَاُولٰئِکَ لَھُمْ جَزَاءُ الضِّعْفِ بِمَا عَمِلُوا۔
یہ تمہاری دولت اور یہ تمہاری اولاد تم کو ہماری بارگاہ میں مقرب نہیں بناتی۔ مقرب بننے کی
حل راہ یہ ہے کہ جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام بھی کئے تو انہیں نیک کاموں
کا دگنا بدلہ عطا کیا جائیگا۔ دوسری جگہ ارشاد ہے، وَمَا اٰتَیْتُمْ مِّنْ رِّبًا لِّیَرْبُوَ
فِیْٓ اَمْوَالِ النَّاسِ فَلَا یَرْبُوْا عِنْدَ اللّٰهِ وَمَا اٰتَیْتُمْ مِّنْ زَکٰوۃٍ تُرِیْدُوْنَ وَجْهَ
اللّٰهِ فَاُولٰئِکَ هُمُ الْمُضْعِفُوْنَ۔ جو روپیہ تم نے سود پر دیا ہے تاکہ تم لوگوں کے مال
دولت کو زیادہ جمع رلو، تو یاد رکھو کہ اس طرح اللہ کے نزدیک روپیہ زیادہ نہیں ہوتا
ہاں اگر تم سچے دل سے خدا کی خوشنودی کے لئے زکوۃ ادا کرو، تو وہی لوگ دگنا پانے والے
ہوں گے۔ اسی سلسلے میں یہ بھی فرمایا، زُیِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ مِنَ النِّسَآءِ
وَالْبَنِیْنَ وَالْقَنَاطِیْرِ الْمُقَنْطَرَۃِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَیْلِ الْمُسَوَّمَةِ
وَالْاَنْعَامِ وَالْحَرْثِ ط ذٰلِکَ مَتَاعُ الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الْمَاٰبِ
لوگوں کے لئے خواہشات مختلفہ عورتوں، بیٹوں، سونے چاندی کے ڈھیروں، گھوڑں
مویشیوں اور کھیتی باڑی کی محبت کا جال سجا دیا گیا ہے۔ لیکن یہ سب دنیا کی دولتیں ہیں
اور خدا کے ہاں کا ٹھکانہ بہت بہتر ہے دوسری جگہ ارشاد ہے، وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَآ اَمْوَالُکُمْ
وَاَوْلَادُکُمْ فِتْنَةٌ وَّاَنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗٓ اَجْرٌ عَظِیْمٌ۔ اے لوگو! جان لو کہ یہ تمہارے
مال اور اولاد کی آزمائش ہیں اور اللہ کے ہاں بہت بڑا اجر ہے۔

اسی مضمون کو سورۃ تغابن میں بھی بیان فرمایا ہے اور اس کے بالکل ساتھ ہی
خرچ کرنے کی ترغیب ہے اور بخل کی مذمت ہے۔ اس طرح کہ بھلائی کو کنجوسی سے
بچنے پر موقوف ٹھہرایا ہے، ارشاد ہوتا ہے، اَلْمَالُ وَالْبَنُوْنَ زِیْنَةُ الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا
وَالْبٰقِیٰتُ الصّٰلِحٰتُ خَیْرٌ عِنْدَ رَبِّکَ ثَوَابًا وَّخَیْرٌ اَمَلًا۔ یہ مال اور بیٹے

دنیاوی زندگی کی زینت ہیں اور باقی رہنے والی نیکیاں تیرے پروردگار کے پاس ثواب کے لحاظ سے بہتر ہیں اور بہترین توقعات کا ذریعہ ہیں۔ یہاں مال اور اولاد کو زینت قرار دیا گیا ہے مگر سورۂ کہف میں خود زینت کی یوں تعریف کی گئی ہے' اِنَّا جَعَلْنَا مَا عَلَى الْاَرْضِ زِيْنَةً لَّهَا لِنَبْلُوَهُمْ اَيُّهُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا۔ ہم نے زمین پر جو چیزیں بنائیں، وہ اس کے لئے زینت ہیں تاکہ ہم آزمائیں کہ انسانوں میں کون اچھے عمل کرتا ہے یہاں عمل سے مراد وہ عمل ہے جو زمین کے آباد کرنے کے متعلق ہے اور اس سلسلے میں سب سے اچھا عمل وہ ہے جس میں انسانوں کو زیادہ فائدہ پہنچے اور خدا کی شکرگذاری کامل ہو۔ اسی سورۂ کہف میں خدا نے دو مثالیں بیان فرمائی ہیں' ان پر غور کرنا چاہئے۔ پہلی مثل میں یہ ذکر ہے کہ ایک شخص بہت بڑا متمول تھا' اس کے پاس نہایت عمدہ باغ تھا یہ شخص شکرگذاری تو کیا کرتا' ہمیشہ اِدھر اُدھر اکڑا پھرا کرتا اور اپنے باغ پر جا بجا فخر و ناز کا اظہار کرتا رہتا۔ اس کے ایک دوست نے اسے ایک دن بہت سمجھایا کہ دیکھو خدا کی نافرمانی مت کر' ایسا نہ ہو کہ ایک دن سارا باغ بالکل تباہ و برباد ہو جائے۔ لیکن سرمایہ دار پر اس نصیحت کا کچھ اثر نہ ہوا۔ تاہم کچھ عرصہ کے بعد خدا کا غضب آیا اور وہ تمام باغ آن کی آن میں تباہ و برباد ہو گیا۔ دوسری مثال میں دولت دنیا کو زمین کی گھاس اور نباتات سے تشبیہ دی گئی ہے کہ جب برسات ہو جاتے تو آن میں شادابی پیدا ہو جاتی ہے۔ لیکن کچھ دنوں کے بعد یہ سب چیزیں خشک ہو جاتی ہیں اور انہیں ہوا اِدھر اُدھر اڑائے لئے پھرتی ہے' دولت اور سرمایہ داری کا آخری انجام بھی یہی ہے۔ ان دونوں مثالوں سے جو چیز ذہن نشین کی گئی ہے' وہ یہ ہے کہ مال و دولت انسان کو صرف امتحان و آزمائش کی خاطر دیا جاتا ہے یہ چیز صرف ایک موسمی ہوا کی طرح ہوتی ہے' ایک وقت یہ مال چھن جاتا ہے۔ مال باقی نہیں رہتا۔

ہاں ! اُس شخص کا عمل ضرور باقی رہ جاتا ہے۔ اس بحث کا نتیجہ یہ ہے کہ جب مال آئے تو انسان کو چاہئے کہ اس کے جمع کرنے کے درپے نہ ہو بلکہ اس کے ذریعہ سے جلد از جلد نیکی کمانی چاہئے۔ اسی بنا پر ارشاد ہوتا ہے، وَاَنْفِقُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَلَا تُلْقُوْا بِاَیْدِیْکُمْ اِلَی التَّھْلُکَۃِ وَاَحْسِنُوْا اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ۔ اپنی دولت اللہ کی راہ میں خرچ کرو اور اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو، نیکی کرو، بیشک اللہ نیکی کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔ اس آیت میں یہ تعلیم دی گئی ہے کہ جو اشخاص اور اقوام مال و دولت کی قربانی نہیں کرتیں وہ یقینی طور پر ہلاک ہو جاتی ہیں۔ اسی کے ساتھ یہ بھی بتایا ہے کہ اگر تم مال و دولت کی قربانی کرو گے تو تمہارا نام خدا کے محبوں میں لکھ دیا جائیگا یہی مضمون سورۃ لیل میں اسی طرح بیان ہوا ہے، فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰی وَاتَّقٰی وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰی فَسَنُیَسِّرُہٗ لِلْیُسْرٰی۔ وَاَمَّا مَنْۢ بَخِلَ وَاسْتَغْنٰی وَکَذَّبَ بِالْحُسْنٰی فَسَنُیَسِّرُہٗ لِلْعُسْرٰی وَمَا یُغْنِیْ عَنْہُ مَالُہٗۤ اِذَا تَرَدّٰی۔ مختصر بات یہ ہے کہ جو شخص مال و دولت کے فرائض ادا کرے، خدا سے ڈرے اور نیک ہدایت کو تسلیم کرلے تو ہم اس کو آسانیوں میں داخل کر دیں گے یعنی اس کے لئے زندگی کا سفر اور منزل مقصود آسان ہو جائے گی لیکن کسی شخص نے ادائے فرائض میں کنجوسی کی، مال کے صحیح استعمال سے بے پروا رہا اور صحیح تعلیمات کو جھٹلاتا رہا تو ہم اس کو سختی میں آسانی سے پہنچا دیں گے اور جب وہ اس طرح زوال کے گڑھے میں گر جائیگا تو یہاں اس کا نہ مال کام آئیگا اور نہ دولت۔ ان آیات سے پہلی آیت یہ ہے، اِنَّ سَعْیَکُمْ لَشَتّٰی۔ بیشک تمہاری کوششیں مختلف ہیں، اس کے بعد اوپر کی آیات بیان ہوتی ہیں اور اس طرح ان کا صاف مطلب ایسا ہوگا۔ (اِنَّ سَعْیَکُمْ لَشَتّٰی) کمانے اور خرچ کرنے کے لحاظ سے انسانی کوششوں کے نتائج و ثمرات مختلف ہیں، فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰی۔ بس جو شخص اپنے تمام

حقوق واجبہ خواہ وہ شخصی ہوں یا قومی، خانگی ہوں یا شہری، ادا کرتا ہے (واتّقٰی) اور اُن نقصانات سے بچتا ہے جو حقوق نہ ادا کرنے کی وجہ سے پیدا ہوتے ہیں (وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰی) اور نیک اصولوں کی پیروی کرتا ہے۔ (فَسَنُیَسِّرُہٗ لِلْیُسْرٰی) تو اللہ تعالیٰ ایسے شخص کے لئے اچھائی اور راحت کا راستہ آسان کر دیتا ہے، یہ شخص اپنے مال سے خود بھی نفع اٹھاتا ہے۔ لوگ بھی اس سے خوش رہتے ہیں، خدا بھی راضی رہتا ہے۔ (وَاَمَّا مَنْ بَخِلَ) اور جو شخص اپنے حقوق واجبہ کے پورا کرنے میں بخل سے کام لیتا ہے (وَاسْتَغْنٰی) اور اپنے مال کے گھمنڈ میں ادائے فرض، خدمت خلق اور خوشنودی خدا سے بے پروائی برتتا ہے (وَکَذَّبَ بِالْحُسْنٰی) اور زبان سے یا عمل سے وعدۂ الٰہی کی تکذیب کرتا ہے تو خداوند تعالیٰ اس پر مشکلات و تکلیفات کی راہیں کھول دیتا ہے، وہ خود بھی گرفتار بلا رہتا ہے۔ دوسرے لوگ بھی اس کے دشمن ہو جاتے ہیں اور خدا بھی اس سے ناراض ہو جاتا ہے اس طرح دنیا اور آخرت دونوں جہانوں میں اس کے لئے ناکامی اور عذاب کے جال بچھ جاتے ہیں۔

۲۔ دولت کی بنیادی کمزوری (دولت کا غرور حق کی پروا نہیں کرتا)

قرآن حکیم نے دولت کی بنیادی کمزوری یہ بیان کی کہ دولت کا گھمنڈ حق کی پروا نہیں کرتا سورۂ علق میں ہے۔ کَلَّآ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَیَطْغٰٓی اَنْ رَّاٰہُ اسْتَغْنٰی۔ (یقیناً آدمی سرکشی کرنے لگتا ہے، جب آپ کو مال دار دیکھتا ہے) یعنی تمول کی حالت میں دولت کا غرور اسے یہ سمجھاتا ہے کہ تمہارے لئے دولت کافی ہے، تم دوسروں سے بے نیاز ہو۔ پس اگر تمہاری عیش پرستی سے دوسروں کو نقصان پہنچتا ہے تو تمہیں اس کی پروا نہیں ہونی چاہئے۔ اس خیال کے بعد دولت مند، حق و انصاف سے بے پروا ہو کر ظلم و فساد پر کمربستہ ہو جاتا ہے۔ یاد رہے کہ یہ آیت اور اس کے بعد کی آیتیں ابوجہل کے متعلق

نازل ہوئی تھیں جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور اسلام کا سخت دشمن تھا اور یہ آیت اس مضمون کے سلسلہ میں سب سے پہلے نازل ہوئی ہے۔ اس کے بعد دوسری سورہ میں ابولہب کے متعلق ارشاد ہوتا ہے۔ تَبَّتْ يَدَا أَبِي لَهَبٍ وَّتَبَّ ط مَا أَغْنٰى عَنْهُ مَالُهُ وَمَا كَسَبَ ۔ سَيَصْلٰى نَارًا ذَاتَ لَهَبٍ وَّامْرَأَتُهُ حَمَّالَةَ الْحَطَبِ فِي جِيدِهَا حَبْلٌ مِّنْ مَّسَدٍ ۔ یعنی ابولہب کے ہاتھ ٹوٹے اور وہ ہلاک ہوا۔ اس کے کام نہ اس کا مال آیا نہ کمائی (جس کا اس کو بڑا گھمنڈ تھا) وہ عنقریب بھڑکتی ہوئی آگ میں داخل ہوگا اور اس کی بیوی بھی جو چغلخور ہے۔ اس کی گردن میں بٹی ہوئی رسی ہوگی یہی مضمون سورہ ہمزہ میں ہے۔ وَيْلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةِ ۔ الَّذِي جَمَعَ مَالًا وَّعَدَّدَهُ يَحْسَبُ أَنَّ مَالَهُ أَخْلَدَهُ ۔ یعنی ہلاکی ہے ہر غیبت کرنے والے اور طعنہ دینے والے کے لئے، جس نے مال جمع کیا اور پھر اسے گنتا ہے۔ وہ خیال کرتا ہے کہ اس کا مال اس کے پاس ہمیشہ باقی رہیگا۔ یہ سورۃ امیہ بن خلف کے متعلق نازل ہوئی تھی۔ اسی مضمون کو اور آیات میں بھی ملاحظہ کیجئے۔ ذَرْنِي وَمَنْ خَلَقْتُ وَحِيدًا ۔ وَّجَعَلْتُ لَهُ مَالًا مَّمْدُودًا ۔ وَّبَنِينَ شُهُودًا ۔ وَّمَهَّدْتُّ لَهُ تَمْهِيدًا ۔ ثُمَّ يَطْمَعُ أَنْ أَزِيدَ ۔ كَلَّا ۔ إِنَّهُ كَانَ لِآيَاتِنَا عَنِيدًا ۔ سَأُرْهِقُهُ صَعُودًا ۔ خدا کہتا ہے۔ مجھے اور اس شخص کو تنہا چھوڑ دو جسے میں نے پیدا کیا ہے، اور بہت سامان دیا ہے اور حاضر رہنے والے لڑکے دیئے ہیں اور اس کے لئے ہر قسم کا سامان ہموار کردیا ہے۔ اس کے باوجود بھی اسے زیادہ کی لالچ ہے۔ اب میں اسے ہرگز کچھ نہ دوں گا۔ وہ ہماری آیات کا بہت سخت دشمن ہے۔ عنقریب اس پر بہت بڑی چڑھائی کی جائے گی۔ یہ آیتیں ولید بن مغیرہ کے بارے میں نازل ہوئی تھیں۔

اسی کے متعلق سورہ نون میں ارشاد ہے:-

وَلَا تُطِعْ كُلَّ حَلَّافٍ مَّهِينٍ هَمَّازٍ مَّشَّاءٍ بِنَمِيمٍ مَّنَّاعٍ لِّلْخَيْرِ مُعْتَدٍ أَثِيمٍ عُتُلٍّ بَعْدَ ذَٰلِكَ زَنِيمٍ أَن كَانَ ذَا مَالٍ وَبَنِينَ ۔ إِذَا تُتْلَىٰ عَلَيْهِ آيَاتُنَا قَالَ أَسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ ۔	اور مت پیروی کر ہر قسم کھانے والے کی، جو ذلیل ہے۔ غیبت کرنے والا چغلخور ہے۔ بھلائی کو روکنے والا ہے، زیادتی کرنے والا گنہگار ہے۔ سرکش اور بدنام بھی ہے، یہ سب سرکشی اس لئے ہے کہ وہ مال دار اور اولاد والا ہے۔ جب اس کے سامنے ہماری آیتیں پڑھی جاتی ہیں تو کہتا ہے کہ یہ اگلے لوگوں کی کہانیاں ہیں۔

اوپر کی آیات میں جتنے لوگوں کا بیان ہوا، یعنی ابوجہل، ابولہب، امیہ بن خلف، ولید بن مغیرہ کا، یہ سب قریش میں اونچی ناک والے تھے مال و دولت کے نشہ میں چور تھے۔ اسی لئے انہوں نے آنحضورؐ سے دشمنی کی، دولت کے غرور میں حق کو ٹھکرایا۔ پھر ان میں ہر ایک کا جو عبرتناک حشر ہوا، وہ دنیا کو معلوم ہے، انہیں کے متعلق خدا نے ایک دوسرے مقام پر فرمایا۔ إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا يُنفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ لِيَصُدُّوا عَن سَبِيلِ اللَّهِ فَسَيُنفِقُونَهَا ثُمَّ تَكُونُ عَلَيْهِمْ حَسْرَةً ثُمَّ يُغْلَبُونَ بیشک، کفار اپنا مال اس لئے خرچ کرتے ہیں کہ خدا کے راستے سے لوگوں کو روکیں! ابھی یہ اور خرچ کریں گے پھر اُن کا یہ مال انہیں کے لئے باعث حسرت ہوگا (جبکہ) یہ مغلوب ہو جائیں گے۔ اسی طرح عام عیاش سرمایہ داروں، عیش پسندوں کے متعلق ارشاد ہے۔ وَقَالُوا نَحْنُ أَكْثَرُ أَمْوَالًا وَأَوْلَادًا وَمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِينَ۔ وہ کہتے ہیں کہ چونکہ ہمارے پاس سب سے زیادہ مال و اولاد ہے، لہذا ہمیں ہرگز عذاب میں مبتلا نہ کیا جائے گا۔ یہی مضمون عام انسانوں کی فطرت کے متعلق بیان کیا گیا ہے، وَأُحْضِرَتِ الْأَنفُسُ الشُّحَّ (نفس انسانی بخل سے وابستہ ہے) سورۂ معارج میں ارشاد ہے، إِنَّ الْإِنسَانَ خُلِقَ هَلُوعًا۔ إِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ جَزُوعًا وَإِذَا مَسَّهُ الْخَيْرُ مَنُوعًا

(بیشک، انسان بزدل پیدا کیا گیا ہے، جب اسے تکلیف پہنچتی ہے تو بیقرار ہو جاتا ہے اور جب اسے مال ملتا ہے تو نیک کاموں سے رکتا ہے) - اس آیت میں خیرات سے مراد مال ہے۔ آپ اس آیت کی صداقت اپنی آنکھوں سے ملاحظہ کر رہے ہونگے، ان کے ایمان پر نگاہ ڈالئے آپ کے سامنے اس آیت کی عملی تفسیر آ جائے گی۔

یہاں ایک غلط فہمی کا دور کر دینا ضروری ہے۔ اوپر کی آیات سے بعض لوگوں کو بڑی غلط فہمی ہو گئی ہے، وہ سمجھنے لگے ہیں کہ مال و دولت کا حاصل کرنا ہی سرے سے ممنوع ہے۔ چنانچہ آپ نے اکثر واعظین کو دیکھا ہوگا کہ یہی آیات پڑھ پڑھ کر مسلمانوں کو دنیا سے اور مال و دولت سے نفرت دلاتے ہیں، حالانکہ اسلام حصول مال سے منع نہیں کرتا۔ وہ صرف اس بات کی ہدایت کرتا ہے کہ مال جمع کرنے میں کسی ناجائز ذریعہ کو کام میں نہ لایا جائے، اس سلسلے میں اس نے سود، رشوت اور غصب وغیرہ کو حرام قرار دیا ہے۔

۳ - کنجوسی، حرام کمائی اور ریاکارانہ خرچ کی مذمت

وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِينَ يَبْخَلُونَ بِمَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ هُوَ خَيْرًا لَّهُم بَلْ هُوَ شَرٌّ لَّهُمْ سَيُطَوَّقُونَ مَا بَخِلُوا بِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ

جن لوگوں کو خدا تعالیٰ نے اپنی دولت بخشی ہے اور وہ اس میں بخل سے کام لیتے ہیں، وہ ہرگز یہ خیال نہ کریں کہ یہ بخل ان کے حق میں اچھا ہے، نہیں بلکہ بہت برا ہے، قیامت کے دن یہی مال جس میں وہ کنجوسی کرتے ہیں، اُن کے لئے بیڑیاں بن جائے گا۔

قرآن کے پارہ دوم میں پہلے یہ بیان ہے کہ اللہ کی راہ میں پاک کمائی صرف کرنی چاہئے - اس میں نہ تو ریاکاری کی جائے اور نہ دے کر احسان جتلایا جائے۔ اس کے بعد یہ ارشاد ہے، اَلشَّيْطَانُ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ وَيَأْمُرُكُم بِالْفَحْشَاءِ وَاللَّهُ يَعِدُكُم مَّغْفِرَةً مِّنْهُ وَفَضْلًا (شیطان تمہیں غریبی سے ڈراتا ہے اور بدکاری کا حکم دیتا ہے اور خدا تم سے اپنی بخشش

وفضل کا وعدہ فرماتا ہے۔ یہاں فحشاء سے مراد بخل ہے۔ مطلب یہ ہے کہ شیطان انسان کو غریب ہو جانے کا ڈر دلا کر اللہ کے راستہ میں خرچ کرنے سے روکتا ہے اور بخل کا حکم دیتا ہے حالانکہ اس کا نقصان حد سے بڑھا ہوا ہے۔ اسی طرح والدین، رشتہ داروں، یتیموں، مسکینوں اور پڑوسیوں کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کا حکم دے کر خدا نے فرمایا، اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ مَنْ کَانَ مُخْتَالًا فَخُوْرًا۔ اَلَّذِیْنَ یَبْخَلُوْنَ وَیَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ۔ خدا اکڑنے والوں اور فخر کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا۔ یعنی اُن لوگوں کو جو خود بخل کرتے ہیں اور دوسرے لوگوں کو بھی بخل کا حکم دیتے ہیں، انہی لوگوں کے بارے میں یہ بھی فرمایا کہ انہوں نے خدا سے عہد کیا تھا کہ اگر انہیں مال و دولت ملیگی تو وہ خدا کی راہ میں خوب خرچ کریں گے لیکن دولت مند ہو جانے کے بعد انہیں اپنا یہ وعدہ ذرا بھی یاد نہیں ہے:۔

فَلَمَّآ اٰتٰھُمْ مِّنْ فَضْلِہٖ بَخِلُوْا بِہٖ وَ تَوَلَّوْا وَّھُمْ مُّعْرِضُوْنَ۔ فَاَعْقَبَھُمْ نِفَاقًا فِیْ قُلُوْبِھِمْ اِلٰی یَوْمِ یَلْقَوْنَہٗ بِمَآ اَخْلَفُوا اللّٰہَ مَا وَعَدُوْہُ وَبِمَا کَانُوْا یَکْذِبُوْنَ۔

جب خدا نے انہیں اپنے فضل سے دولت مند کیا تو انہوں نے بخل کیا اور اپنے عہد سے بالکل پھر گئے تب خداوند تعالیٰ نے سزا کے طور سے قیامت تک ان کے دلوں میں نفاق ڈال دیا کیونکہ انہوں نے وعدہ خلافی کی اور جھوٹ بولا۔

دوسری آیت یہ ہے:۔

ھٰٓاَنْتُمْ ھٰٓؤُلَآءِ تُدْعَوْنَ لِتُنْفِقُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ فَمِنْکُمْ مَّنْ یَّبْخَلُ وَ مَنْ یَّبْخَلْ فَاِنَّمَا یَبْخَلُ عَنْ نَّفْسِہٖ وَاللّٰہُ الْغَنِیُّ وَاَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ وَ اِنْ تَتَوَلَّوْا یَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَیْرَکُمْ ثُمَّ لَا یَکُوْنُوْٓا اَمْثَالَکُمْ۔

اے لوگو! تمہیں اس لئے بلایا جا رہا ہے کہ خدا کی راہ میں خرچ کرو لیکن تم میں بعض لوگ بخل کرتے ہیں جو شخص بخل کریگا، اپنے ہی حق میں بخل کرے گا کیونکہ خدا تعالیٰ تو غنی ہے اور تمہیں لوگ محتاج ہو۔ اگر تم روگردانی کروگے تو خدا تمہاری جگہ دوسروں کو پیدا کردیگا اور وہ تمہاری طرح نہ ہوں گے۔

یعنی اگر خدا کی راہ میں خرچ کرنے سے اعراض کروگے تو خدا تمہاری دولت مٹا دیگا اور تمہیں ہلاک کر دے گا اور تمہاری جگہ ایسی قوم حاکم ہوگی جو رفاہ عام میں، ملک کی حفاظت میں، عدل و انصاف کے قیام میں اپنی دولت صرف کرے گی۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّ كَثِيرًا مِّنَ الْأَحْبَارِ وَالرُّهْبَانِ لَيَأْكُلُونَ أَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ وَيَصُدُّونَ عَن سَبِيلِ اللَّهِ ۗ وَالَّذِينَ يَكْنِزُونَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنفِقُونَهَا فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَبَشِّرْهُم بِعَذَابٍ أَلِيمٍ ۝ يَوْمَ يُحْمَىٰ عَلَيْهَا فِي نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوَىٰ بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوبُهُمْ وَظُهُورُهُمْ ۖ هَٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِأَنفُسِكُمْ فَذُوقُوا مَا كُنتُمْ تَكْنِزُونَ۔

اے ایمان والو! بیشک بہت سے علماء اور درویش لوگوں کا مال ناجائز طریقہ پر کھاتے ہیں اور خدا کی راہ سے روکتے ہیں۔ جو لوگ سونا چاندی جمع کرتے ہیں اور اُسے خدا کی راہ میں صرف نہیں کرتے تو اے پیغمبر! انہیں دردناک عذاب کی خبر سنا دیجئے۔ جس دن یہ سونا چاندی دوزخ میں گرم کئے جائیں گے اور ان کی پیشانیاں اور پہلو اور پیٹھ داغے جائیں گے اور کہا جائیگا یہ ہے وہ دولت جو تم نے اپنے لئے جمع کی تھی اب اپنے خزانہ کا مزا چکھو۔

ناجائز کمائی کے متعلق ارشاد ہے:۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُم بَيْنَكُم بِالْبَاطِلِ إِلَّا أَن تَكُونَ تِجَارَةً عَن تَرَاضٍ مِّنكُمْ۔ اے ایمان والو! اپنا مال آپس میں ناجائز طریقہ سے نہ کھاؤ، مگر یہ کہ باہمی رضامندی سے تجارت ہو۔ مزید فرمایا:۔

وَلَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُم بَيْنَكُم بِالْبَاطِلِ وَتُدْلُوا بِهَا إِلَى الْحُكَّامِ لِتَأْكُلُوا فَرِيقًا مِّنْ أَمْوَالِ النَّاسِ بِالْإِثْمِ وَأَنتُمْ تَعْلَمُونَ۔ تم آپس میں ناجائز طریقہ پر مال نہ کھاؤ اور مقدمہ بنا کر (یا رشوت اور ڈالیاں لیکر) حکام کے پاس نہ لے جاؤ تاکہ لوگوں کا

کچھ مال نا جائز طریقہ سے کھاؤ، حالانکہ تمہیں یہ معلوم ہو۔

یہودیوں کی بابت ارشاد ہوا:۔

فَبِظُلْمٍ مِّنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ طَيِّبٰتٍ اُحِلَّتْ لَهُمْ وَ بِصَدِّهِمْ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَثِيْرًا وَّ اَخْذِهِمُ الرِّبٰوا وَقَدْ نُهُوْا عَنْهُ وَاَكْلِهِمْ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ مِنْهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا۔

یہودیوں کے ظلم کی وجہ سے ہم نے ان پر و چیزیں حرام کر دیں جو ان کے لئے جائز تھیں اس وجہ سے ہوا کہ وہ لوگوں کو خدا کے راس بہت روکتے تھے اور باوجود مخالفت کے تھے اور لوگوں کا مال حرام طریقہ سے کھاتے ان میں کافروں کے لئے ہم نے سخت عذاب کر رکھا ہے۔

انہیں یہودیوں کے متعلق خدا نے اَكّٰلُوْنَ لِلسُّحْتِ فرمایا ہے۔ جس کا م یہ ہے کہ یہ لوگ ایسی چھوٹی چھوٹی اور ذلیل رقموں کے مارنے اور کھانے والے ہیں کھانا بڑی دنائت اور کمینگی ہے اور اکل بالباطل کا مطلب یہ ہے کہ انسان لوگو مال اس طرح حاصل کرے جس میں خیانت، مکاری اور فریب کو دخل ہو، یا رشو سود، ظلم وغیرہ کے ذریعہ وصول ہوا ہو۔

۴۔ دولت کے روشن پہلو پر ایک نظر

سورۂ نوح میں ارشاد ہوتا ہے:۔

فَقُلْتُ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ اِنَّهٗ كَانَ غَفَّارًا يُّرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًا وَّيُمْدِدْكُمْ بِاَمْوَالٍ وَّبَنِيْنَ وَيَجْعَلْ لَّكُمْ

پس میں نے کہا، خدا سے بخشش طلب کرو، وہ بخشنے والا ہے، وہ تم پر بہت بارش نازل کرے گا مال و اولاد میں ترقی دے گا۔ وہ تمہیں باغ ع نے گا اور تمہارے لئے نہریں جاری ... ...

جَنّٰتٍ وَّ یَجْعَلْ لَّکُمْ اَنْہٰرًا | کردے گا۔

سورۂ ہود میں حضرت ہود علیہ السلام کا یہ قول نقل کیا گیا ہے :۔

وَیٰا قَوْمِ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّکُمْ ثُمَّ تُوْبُوْا اِلَیْہِ۔ یُرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَیْکُمْ مِّدْرَارًا وَّیَزِدْکُمْ قُوَّۃً اِلٰی قُوَّتِکُمْ وَلَا تَتَوَلَّوْا مُجْرِمِیْنَ | اے میری قوم! خدا سے مغفرت طلب کرو اور اسکی طرف رجوع کرو۔ وہ تم پر خوب پانی برسائیگا، تمہاری قوت میں زیادتی کرے گا اور گنہگار بن کر اس سے منہ نہ موڑو۔

اسی طرح سورہ طٰہٰ میں حضرت آدم وحوا اور ان کی اولاد پر اپنی نعمتوں کا ذکر کرکے ارشاد ہوتا ہے :۔

قَالَ اھْبِطَا مِنْھَا جَمِیْعًا بَعْضُکُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ۔ فَاِمَّا یَاْتِیَنَّکُمْ مِّنِّیْ ھُدًی۔ فَمَنِ اتَّبَعَ ھُدَایَ فَلَا یَضِلُّ وَلَا یَشْقٰی۔ وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِکْرِیْ فَاِنَّ لَہٗ مَعِیْشَۃً ضَنْکًا | خدا نے فرمایا تم سب جنت سے چلے جاؤ تم ایک دوسرے کے دشمن ہوگے لیکن جب میری طرف سے ہدایت آئیگی تو جو شخص میری ہدایت کی پیروی کرے گا، وہ نہ گمراہ ہوگا۔ نہ تکلیف میں پڑے گا اور جو شخص میرے ذکر سے منہ پھیریگا اس کی گزران تنگ ہوگی۔

ان آیات سے معلوم ہوا کہ ابتداء ہی سے ہدایت خداوندی کی پیروی کا یہ نتیجہ مقرر ہوچکا ہے کہ انسان دنیاوی تکلیفوں سے محفوظ رہے گا اور اس کی زندگی خوشگوار طریقہ سے گذریگی اور اس کے خلاف ہدایت سے منہ پھیرنے کا یہ نتیجہ مقرر کردیا گیا تھا کہ بدبختی حاصل ہوگی اور زندگی نہایت تنگی سے گذرے گی اور اسی مضمون کو خدا تعالیٰ نے سورۂ جن میں اس طرح بیان فرمایا ہے :۔

وَّاَنَّا لَمَّا سَمِعْنَا الْھُدٰٓی اٰمَنَّا بِہٖ فَمَنْ یُّؤْمِنْۢ بِرَبِّہٖ فَلَا یَخَافُ بَخْسًا وَّلَا رَھَقًا۔ اور بیشک، جب ہم نے ہدایت کو سنا تو اس پر ایمان لائے۔ پس جو شخص اپنے

پروردگار پر ایمان لاتا ہے تو اسے نہ کمی کا خوف ہوتا ہے، نہ زیادتی کا۔ یعنی ایسے آدمی کا کوئی حق ضائع نہیں ہوتا، اس لئے کہ خود اس کا ایمان اس کی حفاظت کرتا ہے اور سے ہر خسارہ سے بچاتا ہے اور یہ حکم دنیا و آخرت دونوں کو شامل ہے۔

پھر خصوصیت سے دنیا کے متعلق فرمایا:۔

وَاَنْ لَّوِاسْتَقَامُوْا عَلَى الطَّرِيْقَةِ لَاَسْقَيْنٰهُمْ مَّآءً غَدَقًا لِّنَفْتِنَهُمْ فِيْهِ وَمَنْ يُّعْرِضْ عَنْ ذِكْرِ رَبِّهٖ يَسْلُكْهُ عَذَابًا صَعَدًا ۔	اور اگر لوگ صحیح تعلیم پر ثابت قدم رہتے تو ہم انہیں بہت زیادہ شاداب کرتے تاکہ اس فارغ البالی میں ان کا امتحان لیں جو شخص اپنے پروردگار کے ذکر سے منہ پھیرتا ہے تو خدا اسے سخت عذاب میں مبتلا کرتا ہے۔

یعنی یہ لوگ اگر اس صراط مستقیم پر جم جاتے جسے اسلام نے پیش کیا تو ہم ان کے رزق میں بہت زیادہ ترقی کرتے اور اس طرح ہم ان کا امتحان لیتے کہ رزق میں فراخی کے بعد بھی یہ لوگ احکام الٰہی کی اطاعت کرتے ہیں یا نافرمانیوں میں مصروف ہو جاتے ہیں ہیں؟ اور یہ ایک قرآنی قانون ہے کہ جو شخص خدا کی تعلیم سے اعراض کرے گا تو اس کے لئے زندگی سے مشکلات اور مصیبت کے سوا اور کچھ حاصل نہیں ہو سکتا۔

قرآن حکیم نے اسی مضمون کو بعض دوسری آیات میں بھی ظاہر کیا ہے، اگرچہ ہمارے مفسرین نے اس طرف کچھ بھی توجہ نہیں کی ہے۔ اس سلسلے کی ایک آیت یہ ہے، وَاِنْ خِفْتُمْ عَيْلَةً فَسَوْفَ يُغْنِيْكُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖٓ اِنْ شَآءَ (یعنی اگر تمہیں محتاجی کا خوف ہے تو خدا چاہے گا تو اپنے فضل سے تمہیں غنی کردے گا)۔ اس آیت میں پہلے حکم ہوا کہ مشرکین کو مسجد حرام میں نہ آنے دو۔ مسلمانوں کو خیال ہو سکتا تھا کہ ان کے نہ آنے سے تجارت کو صدمہ پہنچیگا اور عام طور سے غربت چھا جائے گی۔ یہاں خدا نے اس وہم

کا ازالہ فرما دیا کہ مشرکین کے نہ آنے سے تمہیں کچھ نقصان نہ پہنچیگا، بلکہ اسلامی فتوحات کا دروازہ کھلیگا اور تم مالدار ہو جاؤ گے۔ اسی طرح ان لوگوں سے فرمایا جو بدر میں قید ہو کر آئے تھے اور آزادی کے لئے انہیں فدیہ دینا پڑا تھا، اِنْ یَّعْلَمِ اللّٰہُ فِیْ قُلُوْبِکُمْ خَیْرًا یُّؤْتِکُمْ خَیْرًا مِّمَّآ اُخِذَ مِنْکُمْ (اگر خدا تمہارے دلوں میں نیکیاں پائے گا تو وہ تمہیں اس سے بہتر عطا فرمائے گا جو کچھ تم سے لیا گیا ہے) چنانچہ واقعہ میں یہی ہوا، مفلس اور فاقہ مست عربوں کو اسلام کی برکت سے اتنی تونگری نصیب ہوئی کہ وہ دنیا کی تمام قوموں سے بڑھ گئے۔

مال کے خداوندی ہونے کا دوسری آیات سے بھی ثبوت ملتا ہے مثلاً سورۂ والضحٰی میں ہے، ووجدک عائلاً فاغنیٰ۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی نعمتیں گنانے ہوئے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا، خدا نے آپ کو محتاج پایا، پس غنی کر دیا۔ سورہ لایلاف میں اس احسان کا ذکر ہے کہ خدا نے اہل عرب کو توفیق بخشی کہ وہ جاڑے اور گرمیوں میں تجارت کے لئے دور دراز کا سفر کرتے ہیں۔ اسی طرح قرآن پاک میں متعدد جگہ مال کو خَیْر کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے، مثلاً اِنَّہٗ لِحُبِّ الْخَیْرِ لَشَدِیْدٌ (بیشک، انسان مال کی محبت میں بہت ہی سخت ہے) یا اِنْ تَرَکَ خَیْرَا ۨ الْوَصِیَّۃُ لِلْوَالِدَیْنِ وَالْاَقْرَبِیْنَ (اگر کسی مرنے والے نے خیر یعنی مال چھوڑا ہو تو والدین یا رشتہ داروں کے لئے وصیت ضروری ہے۔

یہ ایک کھلی ہوئی حقیقت ہے کہ شکر گذار، پرہیزگار اور ایماندار آدمی، خدا کی نعمتوں کا ایک بدکار، ظالم اور ناشکر گذار شخص سے زیادہ مستحق ہوتا ہے۔ اس لئے کہ نیک بخت شخص خدا کی نعمت پا کر اسے ضرور حکم خدا کے مطابق صرف کرے گا اور اس کا لازمی نتیجہ، ازدیادِ نعمت ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے :-

وَاِذْ تَاَذَّنَ رَبُّكُمْ لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ اِنَّ عَذَابِىْ لَشَدِيْدٌ -

اور جب خدا نے خبر دیدی کہ اگر شکر کروگے تو یں ضرور زیادہ دوں گا اور اگر ناشکری کروگے تو میرا عذاب بہت سخت ہے -

اسی طرح دوسری آیت میں بتلایا گیا ہے کہ ناشکری سے نعمت چھین لی جاتی ہے، ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ لَمْ يَكُ مُغَيِّرًا نِّعْمَةً اَنْعَمَهَا عَلٰى قَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ (یہ اس لئے کہ خدا اپنی دی ہوئی نعمت کو کسی قوم سے نہیں چھینتا جب تک کہ وہ خود اپنی حالت کو نہ بدلے) - یہاں یہ بات خوب یاد رکھنی چاہئے کہ شکر سے مراد زبانی شکر اور الحمد للہ کہہ لینا نہیں ہے بلکہ شکر کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جس نعمت کو جس غرض سے پیدا کیا ہے، وہ اسی طور پر خرچ کی جائے - اس معنیٰ کا لحاظ کرکے مال کا شکر، یہ ہوگا کہ مال سے بے کسوں اور کمزوروں کی مدد کی جائے، حق و انصاف کو قائم کیا جائے اور اسے انسان کی عام فلاح و بہبودی میں صرف کیا جائے -

مال کی زیادتی اور کمی کے متعلق قرآن نے جو قانون بنایا ہے، اس میں ایماندار اور کافر کی کوئی تفریق نہیں ہے - اسی طرح آمدنی اور کمائی کے ذرائع مثلاً زراعت صنعت و حرفت اور تجارت کی راہیں بھی مومن و کافر کے لئے یکساں کھلی ہوئی ہیں اس میں نہ مومن کا لحاظ ہے، نہ کافر کی بے لحاظی ہے جو شخص صحیح طور پر کام کرے گا دولت حاصل کرلے گا -

چنانچہ ارشاد ہے، كُلًّا نُّمِدُّ هٰٓؤُلَآءِ وَهٰٓؤُلَآءِ مِنْ عَطَآءِ رَبِّكَ وَمَا كَانَ عَطَآءُ رَبِّكَ مَحْظُوْرًا - ہم تیرے پروردگار کی بخشش بانٹتے رہتے ہیں، انہیں بھی اور انہیں بھی - اور خدا تعالیٰ کی بخشش میں کسی طرح کی کوئی بندش نہیں ہے - یعنی خدا کی بخشش سب کے لئے عام ہے، ان لوگوں کے لئے بھی عام ہے جو اس کے

ذریعہ محض دنیا دی آرام کے طالب ہیں اور ان کے لئے بھی عام ہے جو اس سے اپنی آخرت درست کرنی چاہتے ہیں۔ ہاں، اگر اس عام بخشش الٰہی میں کہیں کمی اور کہیں زیادتی ہوتی ہے تو وہ صرف مال کے صحیح یا غلط استعمال کا نتیجہ ہے۔ جو لوگ اپنے مال کو بدکاری، فساد، ظلم اور گھمنڈ کی راہ میں صرف کرتے ہیں، ان کا مال یا تو تباہ ہو جاتا ہے اور یا نقصانات میں مبتلا ہوکر بے برکت رہ جاتا ہے۔ آپ نے بہت سے بدکار اور فضول خرچ رئیسوں کو دیکھا ہوگا کہ تھوڑے ہی دنوں کی عیاشی کے بعد وہ یا تو بالکل مٹ جاتے ہیں یا ایسی مہلک بیماریوں میں گرفتار ہو جاتے ہیں کہ وہ ہر وقت مرنے کی آرزو کرتے رہتے ہیں۔ اسی طرح بہت سی عیش پسند اور ظالم قوموں کی تاریخ بھی آپ کے سامنے ہوگی کہ وہ بہت ہی کم عرصہ میں کمزور ہو کر دوسری قوموں کی غلام بن گئیں۔ لیکن اس کے برخلاف جو لوگ اپنے مال کو باقاعدہ صحیح مصرف میں اور نیک کاموں میں صرف کرتے ہیں، ان کا مال ترقی کرتا جاتا ہے، ان کا نام روشن ہوتا ہے، ان کا ضمیر مطمئن اور دل مسرور رہتا ہے۔ اس مضمون کو ہم نے کئی جگہ بیان کیا اور آیت ذیل کی تفسیر میں بھی ہم نے اس کی تحقیق کی ہے، قُلْ هِيَ لِلَّذِينَ آمَنُوا فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا خَالِصَةً يَوْمَ الْقِيَامَةِ (اے پیغمبر! کہدیجئے کہ یہ نعمتیں دنیا میں ایمان داروں کے لئے ہیں اور قیامت میں خالص ان ہی کے لئے ہوں گی)۔ یعنی دنیا میں تو یہ نعمتیں انہیں اس لئے ملتی ہیں کہ وہ ان کے مستحق ہیں اور ذرائع اور وسائل کے لحاظ سے یہ نعمتیں کافروں کو بھی ملتی ہیں لیکن آخرت میں خدا کی تمام نعمتیں مومنین ہی کے لئے مخصوص ہونگی، کفار کا ان میں کچھ حصہ نہ ہوگا۔ کیونکہ اہل ایمان، شکرگذاری اور حق پرستی کا راستہ اختیار کرکے اپنی اخروی فلاح اور دائمی سعادت کا ذریعہ بنا لیتے ہیں۔ اگر دنیاوی زندگی

یں مومن اور کافر ایک قانون کے تابع نہ ہوتے تو پھر دنیا کی ساری دولت بس کفار ہی کو مل جاتی اور ایمانداروں کو اس سے ایک ذرہ بھر دولت بھی نصیب نہ ہوتی، جیساکہ ارشاد ہوتا ہے :-

وَلَوْلَآ اَنْ یَّکُوْنَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً لَّجَعَلْنَا لِمَنْ یَّکْفُرُ بِالرَّحْمٰنِ لِبُیُوْتِهِمْ سُقُفًا مِّنْ فِضَّةٍ وَّمَعَارِجَ عَلَیْهَا یَظْهَرُوْنَ وَلِبُیُوْتِهِمْ اَبْوَابًا وَّسُرُرًا عَلَیْهَا یَتَّكِـُٔوْنَ وَزُخْرُفًا ۚ وَاِنْ کُلُّ ذٰلِکَ لَمَّا مَتَاعُ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا ۚ وَالْاٰخِرَةُ عِنْدَ رَبِّکَ لِلْمُتَّقِیْنَ -

اور اگر یہ بات ہوتی کہ تمام لوگ ایک ہی جماعت بن جائیں، تو ہم ان لوگوں کے لئے جو رحمٰن سے کفر کرنے والے ہیں، چاندی کی چھتوں والے گھر بنا دیتے، انہیں بلند زینے دیتے جن پر وہ چڑھتے، ان کے گھروں میں پھاٹک لگا دیتے، انہیں تخت دیتے، جن پر یہ لوگ آرام سے بیٹھتے اور سونے کی چیزیں دیتے مگر یہ سب چیزیں دنیاوی زندگی کا متاع ہیں اور آخرت کی بھلائی تیرے پروردگار کے پاس پرہیزگاروں کیلئے ہے۔

یعنی تمام مخلوق کا کافر ہونا ہمیں پسند نہیں، ورنہ ہم صرف کافروں کے لئے یہ کرتے کہ اُن کے گھروں کی چھتیں، چڑھنے کے زینے اور بچھونے سب چاندی کے بنا دیتے اور جب عام لوگ کفار کے پاس اس قدر سونا اور چاندی دیکھتے تو اکثر وہ کافر ہو جاتے حالانکہ یہ تمام چیزیں محض دنیا کی زینت و آسائش ہیں اور بہت جلد مٹ جانے والی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ایسا نہیں کیا بلکہ ان سے دنیاوی زینت و آرائش کو مومن و کافر دونوں کے لئے عام کر دیا ہے تاکہ اپنی اپنی محنت کے مطابق دونوں کمائیں لیکن کافر اس دولت کو صرف اپنے ذاتی آرام و راحت پر صرف کرتے ہیں اور ایماندار شکر کے ذریعہ سے اور اچھے موقعوں پر خرچ کر کے اپنی دنیا کو بھی درست کر لیتے ہیں اور آخرت کو بھی سنوار لیتے ہیں۔

۵- مال کی حفاظت اور کفایت شعاری

وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَاءَ اَمْوَالَکُمُ الَّتِیْ جَعَلَ اللّٰہُ لَکُمْ قِیَامًا وَّارْزُقُوْھُمْ فِیْھَا وَاکْسُوْھُمْ وَقُوْلُوْا لَھُمْ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا - وَابْتَلُوا الْیَتَامٰی حَتّٰی اِذَا بَلَغُوا النِّکَاحَ فَاِنْ اٰنَسْتُمْ مِّنْھُمْ رُشْدًا فَادْفَعُوْا اِلَیْھِمْ اَمْوَالَھُمْ وَلَا تَاْکُلُوْھَا اِسْرَافًا وَّبِدَارًا اَنْ یَّکْبَرُوْا وَمَنْ کَانَ غَنِیًّا فَلْیَسْتَعْفِفْ وَمَنْ کَانَ فَقِیْرًا فَلْیَاْکُلْ بِالْمَعْرُوْفِ فَاِذَا دَفَعْتُمْ اِلَیْھِمْ اَمْوَالَھُمْ فَاَشْھِدُوْا عَلَیْھِمْ وَکَفٰی بِاللّٰہِ حَسِیْبًا -

بے سمجھ نادانوں کو اپنا مال نہ دو جسے خدا نے تمہارے لئے زندگی کے قیام کا سبب بنایا ہے انہیں اس میں سے کھلاتے اور پہناتے رہو، اور انہیں معقول بات کہو۔ اور یتیموں کو سدھاتے رہو، اُن کے نکاح کی عمر کو پہنچنے تک۔ پھر اگر ان میں ہوشیاری دیکھو تو ان کا مال ان کے حوالہ کردو اور یتیموں کا مال ضرورت سے زیادہ نہ کھا جاؤ اور نہ حاجت سے پہلے کھاؤ، اس ڈر سے کہ کہیں یہ بڑے نہ ہو جائیں اور جو شخص غنی ہو، وہ مال یتیم سے پرہیز کرے اور جو محتاج ہو تو وہ ضرورت اور بھلائی کے ساتھ کھائے۔ پھر جب ان کا مال انہیں دینے لگو تو اس پر گواہی لے لو اور اللہ حساب لینے کو کافی ہے۔

اس آیت میں تین لفظ قابل تشریح ہیں۔ قیاما۔ سفہاء۔ ابتلاء۔ قیام کے معنی ہیں وہ چیز جو دوسرے کی بقاء و حفاظت اور درستگی کا ذریعہ ہو۔ سفہاء سے مراد وہ لوگ ہیں جو اپنی کم عمری یا اخلاقی کمزوری یا بے عقلی کی وجہ سے مال میں فضول خرچی کریں۔ ابتلاء کے معنی تجربہ اور آزمائش ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ یتیموں کی اچھی طرح نگرانی کرو اور ان کا مال اس وقت ان کے سپرد کرو، جب یہ دیکھو کہ یہ لوگ سمجھدار ہو گئے ہیں اور اپنے مال کا انتظام خود کر سکتے ہیں اور اگر تم متولی ہو تو تم پر لازم ہے کہ مال

نہایت احتیاط سے صرف کرو اور جب مال سپرد کرنے لگو تو دوسرے لوگوں کو گواہ بنالو، تاکہ آئندہ کوئی جھگڑا پیدا نہ ہو۔

خداوند تعالیٰ ایمانداروں کی تعریف میں بیان فرماتا ہے۔ وَالَّذِينَ إِذَا أَنفَقُوا لَمْ يُسْرِفُوا وَلَمْ يَقْتُرُوا وَكَانَ بَيْنَ ذَٰلِكَ قَوَامًا (وہ لوگ جبکہ وہ خرچ کرتے ہیں تو نہ اسراف کرتے ہیں اور نہ بخل سے کام لیتے ہیں بلکہ اعتدال کو اختیار کرتے ہیں)

اسی طرح متقیوں کی تعریف کرتے ہوئے خدا تعالیٰ نے سورۂ بقر کے شروع میں فرمایا ہے۔ وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنفِقُونَ (اور ہم نے جو کچھ انہیں دیا ہے اس میں سے وہ خرچ کرتے ہیں)۔ اس آیت میں کفایت شعاری کا ایک جامع اصول بیان فرمادیا گیا ہے، غور کیجئے، یہاں امیر و غریب کا سوال نہیں بلکہ ہر پرہیزگار کی تعریف میں یہ ارشاد ہوتا ہے کہ ہم نے جو کچھ اسے بخشا ہے، اس میں سے کچھ (بعض حصہ) صرف کرتا ہے۔ یہ نہیں فرمایا گیا کہ کل حصہ صرف کرتا ہے، لہٰذا جب کوئی شخص اپنے مال کا بعض حصہ صرف کرے گا تو کچھ ضرور بچ رہیگا۔ اور وہ مفلس و قلاش نہ ہوگا۔ کیونکہ جو شخص اپنے مال کا کچھ حصہ صرف کرتا ہے اور کچھ بچاتا ہے وہ شاذونادر ہی غریب ہو سکتا ہے۔

اسی کفایت شعاری کے مضمون کو سورہ اسرا میں اس طرح درج کیا گیا ہے، وَآتِ ذَا الْقُرْبَىٰ حَقَّهُ وَالْمِسْكِينَ وَابْنَ السَّبِيلِ وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيرًا (اور قرابت مند اور مسکین و مسافر کو اس کا حصہ دو اور بے جا خرچ نہ کرو۔ اس مضمون کی مزید تائید اس طرح کی گئی کہ بے جا صرف کرنے والوں کو شیطان کا بھائی قرار دیا گیا ہے، چنانچہ ارشاد ہوتا ہے۔ إِنَّ الْمُبَذِّرِينَ كَانُوا إِخْوَانَ الشَّيَاطِينِ وَكَانَ الشَّيْطَانُ لِرَبِّهِ كَفُورًا۔ (بیشک بے جا صرف کرنے والے شیطان کے بھائی ہیں اور شیطان اپنے رب کا بڑا ناشکر گذار ہے) یعنی جس طرح شیطان اپنی نافرمانی اور سرکشی سے دنیا میں

فساد پھیلاتا ہے، اسی طرح بے جا خرچ کرنے والا بھی زندگی کے نظام کو بگاڑتا ہے کیونکہ زندگی کا نظام اعتدال پر قائم ہے اور مسرف اس اعتدال اور میانہ روی کی حدوں کو توڑ دیتا ہے

میانہ روی وکفایت شعاری کی نسبت خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب ہے

وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُولَةً إِلَىٰ عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُومًا مَّحْسُورًا۔ اے نبی! آپ اپنے ہاتھوں کو گردن سے نہ باندھ لیجئے اور نہ بالکل کھول دیجئے کہ ملامت کئے ہوئے اور عاجز ہو کر آپ بیٹھ جائیں)۔ یعنی خدا کی ہدایت یہ ہے کہ نہ تو اپنی مٹھی کو اتنا بھی نہ بند کرلیں کہ کسی کو کچھ نہ دیں اور بخل کی وجہ سے ہر طرف نکتہ چینی کی بوچھاڑ شروع ہو جائے اور نہ آپ اتنے فیاض بن جائیں کہ ہر چیز لٹا دیں اور آخر میں غمگین، پریشان اور عاجز ہو کر رہ جائیں۔

اے کاش کہ مسلمان ان آیاتِ قرآنی پر غور کرتے اور ان حکمت سے بھری ہوئی ہدایتوں پر عمل پیرا ہوتے۔ آج ہم مسلمانوں میں جو ہر طرف یہ فقر وفاقہ دکھائی دے رہا ہے، تو یہ اسی قرآنی تعلیم کو پس پشت ڈال دینے کا نتیجہ ہے۔

۴۔ مال کا راہِ خدا میں خرچ کرنا تمام انسانی سعادتوں اور کامیابیوں کا ذریعہ ہے

مال کے بارے میں جتنی آیتیں نازل ہوئی ہیں، ان میں سب سے زیادہ پرزور وہ آیات ہیں جن کا تعلق انفاق فی سبیل اللہ (خدا کی راہ میں خرچ کرنا) سے ہے کیونکہ اسی ایک اصل اور بنیاد پر اسلام کی تمام واقعی شوکتوں اور عزتوں کا دارومدار ہے۔ اس سے پہلے جو پانچ عنوانات ذکر کئے گئے ہیں، وہ تمام درحقیقت اسی مقصود کے ذرائع اور وسائل ہیں۔ ضرورت ہے کہ ہر مسلمان مضمون کے اس حصہ کو نہایت تدبر اور غور سے مطالعہ کرے۔ راہ خدا میں صرف مال کی اہمیت کے لئے یہ قول کافی ہے کہ خداوند تعالیٰ نے اس وصف کو ایمان اور نفاق کا معیار قرار دیا ہے۔ جو شخص دعوئ ایمان کے بعد اپنے عمل

سے یہ ثابت کر دے کہ وہ اپنے اندر انفاق فی سبیل اللہ کا جذبہ رکھتا ہے۔ وہ مومن ہے خدا کے ہاں بھی اسی کا ایمان مقبول ہے اور ایمان کی تمام دنیاوی اور اُخروی سعادتیں ایسے ہی خوش قسمت انسانوں کا حصہ اور ورثہ ہیں۔ لیکن اگر کوئی شخص زبان سے ایمان کا دعویٰ کرتا ہے اور اس کے پاس انفاق فی سبیل اللہ کی گواہی نہیں ہے تو اس کا یہ دعویٰ غلط ہے، خواہ وہ اپنے کو کتنا ہی مسلمان کہلائے۔ چونکہ اسلام کا دارومدار توحید و رسالت کے ظاہری اقرار پر ہے، اس واسطے ہم اُسے مسلم تو کہہ سکتے ہیں لیکن اسے مومن کا خطاب حاصل نہ ہوگا، نہ اس کا ایمان مقبول ہوگا، نہ اس کی زندگی دنیوی و اُخروی برکتوں سے بہرہ ور ہوگی۔ اس مضمون کی تائید کے لئے آیات ذیل ملاحظہ ہوں:

وَقَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَلٰكِنْ قُوْلُوْٓا اَسْلَمْنَا وَلَمَّا يَدْخُلِ الْاِيْمَانُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ وَاِنْ تُطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ لَا يَلِتْكُمْ مِّنْ اَعْمَالِكُمْ شَيْئًا اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوْا وَجَاهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ

اور گاؤں والوں نے کہا کہ ہم ایمان لا چکے ہیں۔ اے پیغمبر! آپ کہہ دیجئے کہ تم ایمان نہیں لائے ہو، ہاں یہ کہو کہ ہم اسلام لائے۔ ایمان تو تمہارے دلوں میں اب تک داخل ہی نہیں ہوا ہے اور اگر تم اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کروگے تو وہ تمہارے عمل کے ثواب میں کوئی کمی نہیں کرے گا۔ اللہ غفور اور رحیم ہے۔ پس ایماندار وہی ہیں جو خدا اور اس کے رسول پر ایمان لائے۔ پھر انہوں نے شک نہ کیا اور اپنے مال و جان سے خدا کی راہ میں جہاد کیا، یہی لوگ سچے ہیں۔

دیکھئے اس آیت میں نہایت صراحت کے ساتھ ایمان کو جہاد مالی و جانی پر موقوف ٹھہرایا گیا ہے۔ اس آیت میں جہاد مالی کی اہمیت اس طرح بھی ظاہر ہو رہی ہے کہ اس کو جہاد نفس پر مقدم کیا گیا ہے۔ پھر دوسری جگہ اسی مضمون کو الفاظ کی تبدیلی کے ساتھ

آیت برّ میں بھی ذکر کیا گیا ہے۔ اس میں ایمان کی نشانیوں میں سب سے اول مال کا خرچ کرنا بیان کیا گیا ہے۔ اس کے بعد نماز کا قائم کرنا۔ پھر زکوٰۃ دینا اور اس کے بعد دوسرے اخلاق عالیہ کا بیان ہے، ارشاد ہوتا ہے:۔

لَیْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ وَالسَّآئِلِيْنَ وَفِي الرِّقَابِ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ وَالْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا عٰهَدُوْا وَالصّٰبِرِيْنَ فِي الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِيْنَ الْبَاْسِ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ	نیکی (برّ) یہ نہیں ہے کہ تم اپنے چہرے مشرق یا مغرب کی طرف پھیرو۔ نیکی تو اس میں ہے کہ انسان خدا، یوم آخرت، فرشتوں، کتاب اور نبیوں پر ایمان لائے اور باوجود مال کی محبت کے اسے وہ قرابت مندوں، یتیموں، مسکینوں، مسافر، مانگنے والوں اور آزاد کرانے میں صرف کرے۔ نماز قائم کرے اور زکوٰۃ دے اور وعدہ کے مطابق اپنے عہدوں کو پورا کرے۔ اور تکلیف اور مصیبت اور سختی میں صبر کرے۔ یہی لوگ سچے ہیں اور یہی لوگ پرہیزگار ہیں۔

اس آیت میں آتی المال علی حبہ کے دو معنی مفسرین نے بیان کئے ہیں۔ (۱) حُبّہٖ کی ضمیر مال کی طرف لوٹائی جائے یعنی وہ لوگ باوجود مال کی محبت کے اسے صرف کرتے ہیں۔ (۲) یہ ضمیر اللہ کی طرف راجع ہو یعنی وہ لوگ مال کو خدا کی محبت میں خرچ کرتے ہیں اور یہی مطلب اس آیت کا ہے، وَيُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ مِسْكِيْنًا وَّيَتِيْمًا وَّاَسِيْرًا یعنی اللہ کے نیک بندے وہ ہیں جو خدا کی محبت میں مسکین اور یتیم اور قیدی کو کھانا کھلاتے ہیں۔ مال و متاع دنیا کے متعلق سب سے اہم حکم یہ ہے کہ خدا کی محبت اور رسول کی اطاعت میں اسے بے دریغ خرچ کیا جائے اور مال کی محبت کو کبھی خدا اور

رسول صلعم کی محبت پر ترجیح نہ دی جائے۔ ورنہ وہ بدترین گناہ ہوگا جس کے بعد عذاب خداوندی کا آنا یقینی ہے۔ ملاحظہ فرمائیے، قرآن پاک نے کس زور سے اس مضمون کو بیان کیا ہے اور پھر یہ بھی غور کر لیجئے کہ آج اس آیت کی صداقت دنیا میں کس طرح درخشاں ہو رہی ہے۔ یہ واقعہ ہے اور واللہ بالکل یہی واقعہ ہے کہ موجودہ مسلمانوں کی تمام تر تباہی کا سبب یہی ہے کہ انہوں نے خدا اور رسول صلعم کی محبت پر اپنے مال و اولاد، جائداد و تجارت کی محبت کو ترجیح دیدی ہے۔ آج جو تعلق ان کا متاع دنیا سے ہے، اس کا ہزارواں تعلق بھی خدا اور رسول سے نہیں ہے آیت قرآنی کے الفاظ ملاحظہ ہوں :۔

قُلْ اِنْ کَانَ اٰبَآؤُکُمْ وَاَبْنَآؤُکُمْ وَاِخْوَانُکُمْ وَاَزْوَاجُکُمْ وَعَشِیْرَتُکُمْ وَاَمْوَالُ اقْتَرَفْتُمُوْهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ کَسَادَهَا وَمَسٰکِنُ تَرْضَوْنَهَا اَحَبَّ اِلَیْکُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِیْ سَبِیْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰی یَاْتِیَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ وَاللّٰهُ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الْفٰسِقِیْنَ۔

اے پیغمبر! کہدیجئے کہ اگر تمہارے لڑکے اور تمہارے ماں باپ، تمہارے بھائی، تمہاری بیویاں تمہارا خاندان اور وہ مال جسے تم نے کمایا ہے اور وہ تجارت جس کی کساد بازاری سے ڈرتے ہو اور گھر بار جنہیں تم پسند کرتے ہو تمہیں خدا اور رسول اور اس کی راہ میں جہاد سے زیادہ محبوب ہوں تو بس، پھر خدا کے عذاب کا انتظار کرو۔ کیونکہ اللہ نافرمانوں کو راہ نہیں دیتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے دوسرے مقامات پر یہ بھی نہایت واضح طور سے بیان فرمایا ہے کہ جو مسلمان اللہ کی راہ میں مالی و جانی جہاد کرتے ہیں، ان کا رتبہ ان لوگوں سے بدرجہا زائد ہے جنہوں نے مالی و جانی جہاد نہیں کیا۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے :۔

لَا یَسْتَوِی الْقَاعِدُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ غَیْرُ اُولِی الضَّرَرِ وَالْمُجَاهِدُوْنَ فِیْ

وہ مسلمان جو بغیر کسی عذر کے گھروں میں بیٹھے رہے، اُن مسلمانوں کے برابر نہیں ہو سکتے،

سَبِیْلِ اللّٰہِ بِاَمْوَالِھِمْ وَاَنْفُسِھِمْ فَضَّلَ اللّٰہُ الْمُجَاھِدِیْنَ بِاَمْوَالِھِمْ وَاَنْفُسِھِمْ عَلَی الْقَاعِدِیْنَ دَرَجَۃً وَکُلًّا وَّعَدَ اللّٰہُ الْحُسْنٰی وَفَضَّلَ اللّٰہُ الْمُجَاھِدِیْنَ عَلَی الْقَاعِدِیْنَ اَجْرًا عَظِیْمًا

جو خدا کے راستے میں اپنے مالوں اور جانوں سے جہاد کرنے والے ہیں۔ جانی اور مالی جہاد کرنے والوں کو خدا نے بیٹھنے والوں پر فضیلت دی ہے۔ اللہ نے سب سے اچھائی کا وعدہ کیا ہے مگر مجاہدین کو بیٹھنے والوں پر بہت زیادہ ثواب کے ساتھ فضیلت دی ہے۔

اور فرمایا:-

وَمَا لَکُمْ اَنْ لَّا تُنْفِقُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَلِلّٰہِ مِیْرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَا یَسْتَوِیْ مِنْکُمْ مَّنْ اَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَقَاتَلَ اُولٰٓئِکَ اَعْظَمُ دَرَجَۃً مِّنَ الَّذِیْنَ اَنْفَقُوْا مِنْ بَعْدُ وَقَاتَلُوْا وَکُلًّا وَّعَدَ اللّٰہُ الْحُسْنٰی۔

اور آخر تم خدا کے راستہ میں کیوں نہ خرچ کرو گے حالانکہ زمین و آسمان کی میراث سب خدا ہی کے لئے ہے اور جن لوگوں نے فتح (مکہ) سے پہلے خرچ کیا ہے اور جہاد کیا ہے، وہ تمہارے برابر نہیں، ان کا درجہ بہت بلند ہے، ان لوگوں سے جنہوں نے فتح مکہ کے بعد خرچ کیا اور جہاد کیا۔ اللہ تعالیٰ نے ہر ایک سے بھلائی کا وعدہ فرمایا ہے۔

قرآن کریم میں صدہا آیتیں ہیں جن میں مال خرچ کرنے کا بیان ہے کہیں مطلقاً صدقہ کی فضیلت ہے، کہیں صدقہ کا حکم ہے، کہیں زکوٰۃ کا حکم ہے، اس کے علاوہ خرچ کرنے کی نیت، خرچ کرنے کا طریقہ، مال کے مستحقین کی تفصیل، ہر چیز کو کھول کھول کر بیان کیا گیا ہے۔ اس سلسلہ میں ایک عجیب بات یہ ہے کہ انفاق فی سبیل اللہ کو قرض خداوندی سے تعبیر کیا گیا ہے۔ یہاں تمام آیات کا جمع کرنا ناممکن ہے، لہٰذا ایک مسلسل حصہ آیات کا لکھ دیا جاتا ہے جو انفاق فی سبیل اللہ کے بہت سے احکام کو شامل ہے

(۱۔ صدقہ کی مثال) مَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ
اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْۢبَتَتْ
سَبْعَ سَنَابِلَ فِيْ كُلِّ سُنْۢبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ ؕ وَاللّٰهُ
يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ
(۲۔ صدقہ اور ریاکاری) اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ
اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ لَا يُتْبِعُوْنَ مَآ
اَنْفَقُوْا مَنًّا وَّلَآ اَذًى لَّهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ
رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ
قَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ خَيْرٌ مِّنْ صَدَقَةٍ يَّتْبَعُهَآ
اَذًى ؕ وَاللّٰهُ غَنِيٌّ حَلِيْمٌ (۳۔ صدقہ دیکر
احسان جتانے والے کی مثال) يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ
اٰمَنُوْا لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَ
ذٰى كَالَّذِيْ يُنْفِقُ مَالَهٗ رِئَآءَ النَّاسِ وَلَا
يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ
صَفْوَانٍ عَلَيْهِ تُرَابٌ فَاَصَابَهٗ وَابِلٌ
فَتَرَكَهٗ صَلْدًا ؕ لَا يَقْدِرُوْنَ عَلٰى شَيْءٍ
مِّمَّا كَسَبُوْا ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ
الْكٰفِرِيْنَ ۔ (خدا کی رضا مندی کیلئے
مال صرف کرنے کی مثال) وَمَثَلُ الَّذِيْنَ
يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ

۱۔ ان لوگوں کی مثال جو اللہ کے راستہ میں اپنا مال
خرچ کرتے ہیں اس دانہ جیسی ہے جس سے سات بالیں پیدا
ہوں اور ہر بال میں سو دانے ہوں اور اللہ جس کیلئے
چاہتا ہے زیادتی کرتا ہے اور اللہ وسعت والا جاننے
والا ہے۔ (۲) جو لوگ اپنے مالوں کو اللہ کے راستے
میں خرچ کرتے ہیں پھر خرچ کرنے کے بعد نہ احسان
جتاتے ہیں، نہ تکلیف دیتے ہیں، ان کے لئے ان
کا ثواب ان کے ... ... پروردگار کے پاس ہے
اور نہ ان کے لئے کوئی ڈر ہے اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔
بھلی بات کہدینی اس صدقہ سے بہتر ہے جس کے بعد
تکلیف پہنچائی جائے اور اللہ تعالی بے نیاز اور بردبار
ہے۔ (۳) اے ایمان والو! اپنے صدقات کو احسان
جتا کر اور تکلیف پہنچا کر بیکار نہ کردو اس شخص کی طرح
جو اپنے مال کو ریاکاری میں صرف کرتا اور خدا اور
یوم آخرت پر ایمان نہیں لاتا ہے۔ پس ایسے شخص
کی مثال اس چکنے پتھر کی ہے جس پر کچھ مٹی پڑی
ہوئی تھی پھر اس پر اس زور سے بارش پڑی کہ
اسے بالکل صاف کرگئی۔ یہ لوگ اپنی کمائی پر کچھ
اختیار نہ رکھیں گے۔ اللہ تعالی ناشکر گذار قوم کو
ہدایت نہیں دیتا ہے۔ (۴) اور ان لوگوں کی مثال

اللّٰہِ وَتَثْبِیْتًا مِّنْ اَنْفُسِہِمْ کَمَثَلِ جَنَّۃٍ
بِرَبْوَۃٍ اَصَابَہَا وَابِلٌ فَاٰتَتْ اُکُلَہَا
ضِعْفَیْنِ فَاِنْ لَّمْ یُصِبْہَا وَابِلٌ فَطَلٌّ
وَاللّٰہُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ (۵۔ ریاکاری
کا صدقہ بے سود ہے) اَیَوَدُّ اَحَدُکُمْ
اَنْ تَکُوْنَ لَہٗ جَنَّۃٌ مِّنْ نَّخِیْلٍ وَّاَعْنَابٍ
تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِہَا الْاَنْہٰرُ لَہٗ فِیْہَا مِنْ
کُلِّ الثَّمَرٰتِ وَاَصَابَہُ الْکِبَرُ وَلَہٗ
ذُرِّیَّۃٌ ضُعَفَآءُ فَاَصَابَہَآ اِعْصَارٌ فِیْہِ
نَارٌ فَاحْتَرَقَتْ کَذٰلِکَ یُبَیِّنُ اللّٰہُ
لَکُمُ الْاٰیٰتِ لَعَلَّکُمْ تَتَفَکَّرُوْنَ (۶۔
خدا کی راہ میں کیسا مال خرچ کرنا چاہئے)
یٰٓاَیُّہَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِنْ طَیِّبٰتِ
مَا کَسَبْتُمْ وَمِمَّآ اَخْرَجْنَا لَکُمْ مِّنَ
الْاَرْضِ وَلَا تَیَمَّمُوا الْخَبِیْثَ مِنْہُ تُنْفِقُوْنَ
وَلَسْتُمْ بِاٰخِذِیْہِ اِلَّآ اَنْ تُغْمِضُوْا فِیْہِ
وَاللّٰہُ غَنِیٌّ حَمِیْدٌ (۷۔ شیطان کا کام)
اَلشَّیْطٰنُ یَعِدُکُمُ الْفَقْرَ وَیَاْمُرُکُمْ
بِالْفَحْشَآءِ وَاللّٰہُ یَعِدُکُمْ مَّغْفِرَۃً مِّنْہُ
وَفَضْلًا وَاللّٰہُ وَاسِعٌ عَلِیْمٌ (۸۔ نیک

جو خدا کی رضامندی کی طلب اور اپنے نفسوں کی ثابت قدم بنانے میں مال صرف کرتے ہیں۔ ایسی ہے کہ کسی ٹیلہ پر ایک باغ ہو جب اس پر پوری بارش ہوتی ہے تو اس کے پھل دگنے چوگنے پیدا ہوتے ہیں اور اگر زیادہ بارش نہ ہوتی ہو تو ہلکی پھوار بھی کافی ہوتی ہے اور خدا تمہارے کاموں کو دیکھ رہا ہے۔ (۵) کیا تم میں سے کوئی شخص اس بات کو پسند کرتا ہے کہ اس کے پاس کھجوروں اور انگوروں کا باغ ہو جس میں نہریں بہتی ہوں اور وہ طرح طرح کے میووں سے بھرا ہوا ہو۔ اور اس شخص پر بڑھاپا چھایا ہوا ہو۔ اس کے بال بچے کمزور ہوں۔ ایسی حالت میں باغ پر آگ کا بگولہ آجائے اور وہ جل جائے۔ اللہ تعالیٰ اسی طرح تمہارے لئے بیان فرماتا ہے تاکہ تم غور کرو (۶) اے ایمان والو! تم نے جو کمایا ہے اور زمین میں تمہارے لئے ہم نے جو پیدا کیا ہے اس میں سے عمدہ صاف مال صرف کرو۔ گھٹیا اور خراب مال کا ارادہ نہ کرو کہ اسے خرچ کرو حالانکہ تم خود اسے نہ لوگے مگر یہ کہ دھوکا کھا جاؤ اور اللہ تعالیٰ بے نیاز ہے اور تعریف والا ہے (۷) شیطان تمہیں محتاجی

کاموں میں خرچ کرنا ہی دانائی ہے)
یُؤْتِی الْحِکْمَۃَ مَنْ یَّشَآءُ وَمَنْ یُّؤْتَ
الْحِکْمَۃَ فَقَدْ اُوْتِیَ خَیْرًا کَثِیْرًا وَمَا
یَذَّکَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ وَمَآ اَنْفَقْتُمْ
مِنْ نَّفَقَۃٍ اَوْ نَذَرْتُمْ مِّنْ نَّذْرٍ
فَاِنَّ اللّٰہَ یَعْلَمُہٗ وَمَا لِلظّٰلِمِیْنَ
مِنْ اَنْصَارٍ ۔ (۹) حسب موقع صدقہ
کو ظاہر کر دینا بھی اچھا ہے) اِنْ
تُبْدُوا الصَّدَقٰتِ فَنِعِمَّا ھِیَ وَ
اِنْ تُخْفُوْھَا وَتُؤْتُوْھَا الْفُقَرَآءَ
فَھُوَ خَیْرٌ لَّکُمْ وَیُکَفِّرُ عَنْکُمْ مِّنْ
سَیِّاٰتِکُمْ وَاللّٰہُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرٌ
(۱۰) لَیْسَ عَلَیْکَ ھُدٰھُمْ وَ
لٰکِنَّ اللّٰہَ یَھْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ
(۱۱) وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَیْرٍ فَلِاَ
نْفُسِکُمْ وَمَا تُنْفِقُوْنَ اِلَّا ابْتِغَآءَ
وَجْہِ اللّٰہِ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَیْرٍ
یُّوَفَّ اِلَیْکُمْ وَاَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ
(۱۲) لِلْفُقَرَآءِ الَّذِیْنَ اُحْصِرُوْا
فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ لَا یَسْتَطِیْعُوْنَ ضَرْبًا

سے ڈراتا ہے اور برائی کا حکم دیتا ہے اور اللہ تم سے اپنی
بخشش و لطف کا وعدہ کرتا ہے اور اللہ وسعت والا اور
جاننے والا ہے۔ (۸) وہ جس کو چاہتا ہے دانائی بخشتا ہے
اور جس شخص کو دانائی ملتی ہے تو اسے بڑی دولت ملتی ہے
اور اسے تو بس عقل والے ہی سمجھ سکتے ہیں۔ تم نے جو
کچھ خرچ کیا اور جو کچھ تم نے نذر مانی، اللہ تعالیٰ سب کچھ
جانتا ہے اور وہ ظلم کرنے والوں کا مددگار نہیں ہے (۹) اگر
تم صدقات کو ظاہر کر کے دو تو یہ اچھا ہے اور اگر چھپا کر
فقراء کو دیدو تو یہ تمہارے لئے بہت بہتر ہے اور یہ تمہارے
گناہوں کا کفارہ ہو جائے گا اور اللہ تمہارے عمل سے
خبردار ہے (۱۰) اے رسول! آپ کے ذمہ ان کی ہدایت
نہیں ہے۔ یہ تو خدا جس پر چاہتا ہے۔ ہدایت کا دروازہ
کھول دیتا ہے۔ (۱۱) اور جو مال تم خرچ کرتے ہو وہ بھی
محض خدا کی رضامندی کے لئے خرچ کرتے ہو تو اس کا
نفع تمہیں کو ملیگا۔ اور تم جو کچھ خرچ کرو گے خدا کے ہاں پورا
پورا مل جائے گا اور تمہارا حق کاٹا نہ جائے گا۔ (۱۲)
ان محتاجوں پر خرچ کرو جو خدا کی راہ میں پابند ہو چکے
ہیں اور زمین میں ادھر ادھر جانے کی قوت نہیں رکھتے
(یعنی دین خدا کی خدمت میں لگے رہنے کی وجہ سے
اپنے معاش دنیوی کا سامان نہیں کر سکتے)۔ ناواقف

فِی الْاَرْضِ یَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ اَغْنِیَآءَ مِنَ التَّعَفُّفِ تَعْرِفُهُمْ بِسِیْمٰهُمْ لَا یَسْئَلُوْنَ النَّاسَ اِلْحَافًا وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَیْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِیْمٌ۔ (۱۳) اَلَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ بِالَّیْلِ وَالنَّهَارِ سِرًّا وَّ عَلَانِیَةً فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ

لوگ تو انہیں مالدار سمجھتے ہیں (مگر) تم ان کے چہروں سے ان کے فقر کو پہچان سکتے ہو۔ وہ لوگوں سے اصرار کر کے نہیں مانگتے ہیں اور جو کچھ تم خرچ کروگے اللہ اس سے واقف ہے۔ (۱۳) جو لوگ اپنا مال دن اور رات میں چھپا کر اور ظاہر کر کے خرچ کرتے ہیں تو ان کا ثواب اللہ کے ذمہ ہے اور نہ ان پر خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔

ان آیات کو غور سے پڑھ جائیے اور دیکھئے کہ خدا نے کیسی کیسی بلند اور روشن تعلیمات ہمیں دی ہیں۔ آج ان پر دسواں حصہ بھی عمل کیا جائے تو ہماری موجودہ مشکلات سے سو گنا زیادہ مشکلات کا خاتمہ چند ہی دنوں میں ہو سکتا ہے مگر افسوس، یہ کتنی بڑی مصیبت ہے کہ مسلمان اول تو خدا کی راہ میں، دین کی خدمت کے لئے اور جہاد کے واسطے کچھ صرف ہی نہیں کرتے اور اگر قدرے قلیل صرف کرتے بھی ہیں تو بالکل منشائے قرآنی کے خلاف، نہایت غیر منظم طور پر اور بالکل غلط اصولوں پر۔ جس سے مسلمانوں کو قومی حیثیت سے کوئی نفع نہیں پہنچتا ہے، نہ ان کی قومی غربت دور ہوتی ہے، نہ غیروں کی غلامی سے نجات ملتی ہے، نہ ان میں تعلیم عام ہوتی ہے، نہ صنعت و حرفت کو فروغ ہوتا ہے۔ مسلمانو! خدا کے لئے آنکھیں کھولو، ہر زید و عمر کی باتیں نہ سنو، اگر تم کچھ کر سکتے ہو تو قرآن حکیم کا دامن تھامو اور اس کے حکم کے مطابق مالی قربانی کے لئے تیار ہو جاؤ۔ پھر دیکھو کہ ایک ہفتہ بھی نہ گذرے گا اور تم عزت و رفعت میں تمام قوموں میں ممتاز نظر آؤ گے۔

۷۔ مالی حقوق اور ان کا اصلاحی نظام

خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيهِمْ بِهَا (اے نبی! مسلمانوں کے مال میں خیرات وصول کیجئے اور اس طرح ان کی ظاہری اور باطنی زندگی کو ہر کھوٹ اور ہر نقصان سے پاک و صاف بنا دیجئے)۔

اس آیت میں حکم دیا ہے کہ پبلک کی مالی امداد کے لئے ایک مستقل مالی نظام قائم کرنا چاہئے جس کی صورت یہ ہو کہ امراء سے زکوٰۃ وصول کی جائے اور ان کو یہ سمجھایا جائے کہ جب تم خود اپنی رضامندی سے محتاجوں کے لئے روپیہ ادا کرو گے تو اس سے سوسائٹی کی صورت ایسی بن جائے گی جس سے لوگوں کو چوری، ڈاکہ، فریب کاری وغیرہ کی ضرورت باقی نہ رہے گی، یعنی زندگی کا ظاہری رُخ پاک ہو جائے گا اور تم خود اس سے محفوظ رہو گے۔ اسی طرح جب تم غریبوں کی ہمدردی کرو گے تو وہ تمہاری ہمدردی کریں گے اور اس طرح تمہارا اور عام پبلک کا دل بھی پاک ہو جائے گا۔ ظاہر ہے کہ اسلام کی تجویز دنیا کی ظاہری اور باطنی اصلاح کے لئے ایک بہترین تجویز ہے۔ خاص طور پر موجودہ دور میں جبکہ ایک طرف تو دنیا کی سرمایہ دار جماعت قارون کی طرح مال و دولت جمع کر کے عالم انسانی کو غلام، غریب اور قلاش بنا رہی ہے اور اپنی قساوت قلبی اور درندگی کا ثبوت دے رہی ہے اور دوسری طرف ایک دوسری جماعت اصلاح کے جوش میں بین الاقوامی نظام کو درہم برہم کر کے دنیا میں ایک برابر سطح پیدا کرنے کی بے سود کوشش کر رہی ہے۔ اسلام نے ان دونوں جماعتوں کی غلطیوں کا پردہ چاک کیا ہے اور وہ تمام جھگڑے چکائے ہیں جو ان دونوں جماعتوں میں پھیلے ہوئے ہیں۔ مال و دولت کی وجہ سے دنیا میں جتنے بھی فتنے اور فساد پھیلے ہوئے ہیں، ان کا دفعیہ محض اسلامی تعلیمات کے ذریعہ سے ہو سکتا ہے اور یہ تعلیمات

حسب ذیل ہیں :-

۱۔ اسلام شخصی ملکیت مانتا ہے مگر ناجائز طریقہ پر لوگوں کا مال کھانا حرام قرار دیتا ہے

۲۔ سود خوری اور قمار بازی حرام ہے۔

۳۔ ایسا نہ ہو کہ روپیہ صرف دولت مند لوگوں کے ہاتھوں ہی میں گردش کرتا رہے

۴۔ بے سمجھوں اور بے عقلوں کو ان کے مال میں خرچ کی آزادی نہ دی جائے۔

۵۔ زکوٰۃ عقیدۃً فرض ہے اور ہر غریب اس کا حصہ دار ہے۔ خواہ اسلامی حکومت ہو یا نہ ہو، محض مسلمان ہونا اس اشتراکیت کے لئے کافی ہے۔

۶۔ اسلامی حکومت کے لئے ضروری ہے کہ مقررہ زکوٰۃ (نقدی) عشر (یعنی کھیتی وغیرہ میں دسواں حصہ) خمس (دفینہ میں پانچواں حصہ) اور مویشی کی زکوٰۃ وصول کرے

۷۔ زوجیت اور قرابت کا خرچ فرض ہے۔

۸۔ تمام بے بسوں (کسی مذہب کے ہوں) کی خبرگیری اور پردیسیوں کی دعوت فرض ہے۔

۹۔ بعض گناہوں کے کفارہ میں مال کا خرچ کرنا ضروری ہے۔

۱۰۔ محتاجوں پر وقتاً فوقتاً صدقہ کرنا بہتری کا ذریعہ ہے۔

۱۱۔ گناہ کے کام میں مال خرچ کرنا، فضول خرچ کرنا اور بخل کرنا ممنوع ہوگا۔

۱۲۔ عمدہ کپڑے اور عمدہ کھانے اپنے اپنے شرائط کے لحاظ سے ہیں۔ کیونکہ تہذیب و تمدن اور صنعتی ترقی کا ان سے گہرا تعلق ہے۔

۱۳۔ میانہ روی، کفایت شعاری ممدوح ہی نہیں بلکہ واجب ہے۔

۱۴۔ سوسائٹی میں شکر گذار دولت مند، صبر کرنیوالے فقراء سے بہتر سمجھے جائیں۔

ان ۱۴ دفعات کے بعد ہم نے ایک اور فصل لکھی ہے جس میں تمام احکام کو

تین عنوانوں میں جمع کر دیا ہے۔ (۱) مال کے دینی اور اجتماعی احکام (۲) مال کی قسمیں اور اس کے خرچ کرنے کے مواقع (۳) مالی نظام میں اسلام نے جو اصلاحیں کیں ان سے انسانوں کو کیا کیا فائدے پہنچے؟ تفصیل کے لئے تفسیر "المنار" ملاحظہ فرمائیں۔

الغرض مال و دولت کی اصلاح کے لئے اسلام نے جو قاعدے مقرر کئے ہیں، انہیں پر عمل کرنے کی وجہ سے مالی خیر و برکت کا سبب بن سکتا ہے جیسا کہ قرآنی اصطلاح میں اسے لفظ خیر سے تعبیر کیا گیا ہے اور انہیں قواعد کی پیروی کی وجہ سے آج دنیا کے تمام جھگڑے ختم ہو سکتے ہیں۔ سرمایہ داروں اور مزدوروں میں صلح ہو سکتی ہے اور امیر و غریب، محبت اور خلوص کے ساتھ زندگی بسر کرنے کے قابل بن سکتے ہیں۔ اگر دنیا کے مدبرین اپنے ذاتی افکار کی پیروی کی جگہ قرآن کریم کو دیکھتے اور اس کی مالی اصلاحات کو دنیا میں رائج کرتے تو یہ شور و غل، جنگ و جدال اور درد دکھ سے بھری ہوئی دنیا، آج سے بہت پہلے امن و سکون، راحت و اطمینان اور مسرت و شادمانی کی منزل کو حاصل کر لیتی۔

مصنف	مترجم
علامہ سید رشید رضا مصری	مولوی محفوظ الرحمٰن نامی

رشنائی برقی پریس ہال بازار امرتسر میں باہتمام ابو الرضا عطاء اللہ پرنٹر چھپا اور عبد الحمید پبلشر نے سٹی سے شائع

ضروری اعلان

سیرت کمیٹی پٹی کی تاریخی خدمات

خاص اعلان

۱۹۲۹ء میں ۳۲ روپے سے کتابوں کی ایک دکان کھولی گئی تاکہ چندہ مانگنے کی بجائے تجارتی منافع سے خدمت اسلام کی جائے۔ اس طریقے سے جو جو اسلامی ضرورتیں پوری ہوئیں ان کا خلاصہ یہ ہے:

۱۔ مسلمان اپنے نبی پاک کے حالات سے ناواقف اور غیر مسلم بدگمانیوں کا شکار تھے۔ اس کیلئے تمام کرۂ زمین میں جلسے سیرت کا نظام قائم کیا۔ سات ہزار غیر ممالک میں مبلغ بھیجے۔ ۲۱ لاکھ کتب سیرت ۲۵ زبانوں میں شائع کر کے مفت تقسیم کرائیں۔ مختلف ملکوں میں ۵۰۰ تبلیغی مراکز قائم کئے۔ اس انتظام سے ہر گوشۂ عالم میں ہمارے نبی پاک کی عزت اور صداقت کا پیغام کروڑوں انسانوں تک پہنچ رہا ہے۔

۲۔ ہندوستان کے بیشمار دیہات میں تبلیغی انتظام نہ ہونے کے سبب ہر وقت ارتداد کا خطرہ رہتا تھا۔ اس کیلئے ہزارہا دیہاتی مساجد میں جمعہ کے دن اردو وعظ سنانے کا انتظام کیا۔ سات ہزار مسجدوں میں ایک لاکھ اردو خطبات کی کتابیں بھیجیں۔ اس وقت برابر تین ہزار مسجدوں میں سیرت کمیٹی کے ارسال کردہ خطبات سنائے جا رہے ہیں۔ سیرت کمیٹی کا یہ تنہا کام تین ہزار تنخواہ دار مبلغوں کے ہم پلہ ہے۔

۳۔ دو ہزار مسلمانوں کے حلقے ہو کر مطالعہ قرآن کیلئے ڈھائی لاکھ قرآنی لیکچر بھیجے۔ اور اب درس قرآن کی سکیم جاری کی گئی ہے جس سے ۵۰ ہزار مسلمانوں کو روزانہ ایک ایک آیت کا ترجمہ اور تفسیر یاد کرائے جا رہے ہیں۔ اس سکیم کا کل خرچ دس ہزار روپیہ سالانہ ہے جس میں سے ۸ ہزار فیس وصول ہوگی اور ۲ ہزار کا نقصان سیرت کمیٹی پورا کریگی۔

۴۔ متفرق خدمات انقلابی تشہیر کیں۔ ۴ ہزار روپیہ مظلومین فلسطین کو جمع کر کے بھیجا۔ نو مسلم قوم کیلئے پانصد ایکڑ اراضی وقف کرائی۔ نظام بہاولپور جوبلی کا سپاسنامہ ۲۵ زبانوں میں نشر کرایا۔ اپنے ذاتی فنڈ سے دس ہزار روپیہ نقد تبلیغ اسلام کیلئے وقف کیا۔ صرف ۱۹۴۳ء میں اسلامی کاموں پر جو نقد عطیات دیئے گئے وہ ڈھائی ہزار روپیہ ہیں۔

برادران اسلام! اگر سیرت کمیٹی نے واقعی کام کیا ہے تو آپ بھی اپنا فرض پورا کریں۔ امداد کی صورتیں صرف تین ہیں (۱) آپ قواعد سیرت مفت منگوا کر اپنے شہر یا وارڈ میں سیرت کمیٹی بنائیں (۲) دو روپیہ کا منی آرڈر بھیج کر رسالہ اخبار ایمان یا ۲۳ کتب کا سیٹ خریدیں (۳) کم سے کم یہ کہ ہر خرید ہوئی ان ایک دو دیگر اخبار ایمان خریدا کریں۔ مجھے یقین ہے کہ آپ کی غیرت ایمانی کی امداد سے حیرت انگیز نتائج پیدا ہونگے۔ وباللہ التوفیق

قاضی عبدالمجید قریشی سیکرٹری سیرت کمیٹی پٹی ضلع لاہور

دو روپے میں عظیم الشان اسلامی کتب خانہ

مشرق اور مغرب کے ۲۳ جلیل القدر عالموں کی شاندار تصانیف

سیرت کمیٹی کی جملہ کتابیں — گیارہ سو صفحے حجم — دین و دنیا کی برکات کا مجموعہ

آپ مرکزی سیرت کمیٹی پٹی، ضلع لاہور کی ۲۳ کتابوں کا پورا سٹ ضرور منگوائیں۔ ایک مسلمان کو اسلام کی حقیقت، دنیائے اسلام کی حالت، مسلمانانِ ہندوستان کے حال اور مآل کو سمجھنے کے لئے جس قدر بھی کتابوں کی ضرورت ہے، وہ ساری کتابیں ان ۲۳ کتابوں میں آجاتی ہیں۔ ان میں درسِ قرآن کے لیکچر بھی شامل ہیں جو قرآن کو سمجھنے کی کنجی ہیں اور جن کی سلطان ابنِ سعود، امام یمن اور شیخ جامعہ ازہر تک نے حد سے زیادہ تعریف و توصیف کی ہے۔ انہی ۲۳ کتابوں میں سیرت نبوی کے بیش بہا رسائل بھی ہیں، فلسفہ دین اور تاریخ اسلام کی موثر ترین کتابیں بھی ہیں۔ جمعہ اور عیدین کے انقلابی خطبات بھی ہیں۔ ہندوستان کی موجودہ سیاسی کشمکش اور اسلامی ممالک کے تازہ ترین سیاسی انقلابات کی کتابیں بھی ہیں۔ اور لیگ اور کانگرس کی جنگِ عظیم اور شہادتِ کربلا کی پوری اور مکمل تاریخ بھی ہے۔ مختصر یہ کہ یہ ۲۳ کتابیں اسلام اور تاریخ اسلام کے پورے کتب خانے کا نچوڑ ہیں اور پھر لطف یہ ہے کہ ان کے لکھنے میں مشرق اور مغرب کے ۲۳ بڑے بڑے عالموں اور فاضلوں نے اپنے علم اور قلم کا پورا زور صرف کیا ہے۔ آپ ان کتابوں میں علامہ امیر شکیب ارسلان شامی، امام سید رضا مصری، سید امین الحسینی مفتی اعظم فلسطین، لارڈ ہیڈلے فاروق، ڈاکٹر خالد شیلڈرک، نواب بہادر یار جنگ بہادر، مولانا سید سلیمان ندوی اور دیگر ہند و فضلاء کو ایک مجلس میں جلوہ فرما دیکھیں گے۔ گیارہ سو صفحے حجم ہے۔ آپ صرف دو روپے کا منی آرڈر بھیج کر یہ پورا اسلامی کتب خانہ حاصل کر لیں۔ ان کے مطالعے سے آپ کے ایمان، عقل اور سیاسی قابلیت میں بے حد ترقی ہوگی۔ وی پی منگوانے کا خرچ ۱۲؍۔ بہتر صورت یہ ہے کہ اپنی مقامی سیرت کمیٹی کو دو روپے دے کر پورا سٹ حاصل کر لیں۔ (سیکرٹری سیرت کمیٹی پٹی، ضلع لاہور)

Secretary,
Seerit Committee Patti, (Dsstt. Lahore.)